ہماری کہانی

(محترم عبدالستار حاجی ابراہیم مرحوم کا ذکرِ خیر)

اپنے والدین کے نام

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا ؕ

(بنی اسرائیل : ۲۵)

ترجمہ :۔ (اے) میرے رب ! ان پر مہربانی فرما کیونکہ انہوں نے
بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی ۔

عبدالستار حاجی ابراہیم مرحوم

ہماری کہانی

نام کتاب ______ ہماری کہانی

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ صد سالہ جشنِ تشکر کے مبارک موقع پر کو کتب شائع کرنے کی توفیق عطا فرما رہا ہے۔

جماعت احمدیہ ایک عالمگیر جماعت ہے۔ اس میں ہر جگہ، ہر ملک اور ہر قوم کے افراد شامل ہیں۔ میمن قوم کے دو اشخاص حضرت مسیح موعود کے رفقائے کرام میں شامل تھے۔ ایک حضرت سیٹھ اللہ رکھا صاحب اور دوسرے حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم۔ اس برادری کے تیسرے بزرگ جنہیں احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی محترم عبدالستار حاجی ابراہیم تھے جنہوں نے حضرت مصلح موعود کے دستِ مبارک پر احمدیت قبول کی۔ برادری کی شدید مخالفت کے باوجود ثابت قدم رہے۔ اور اولاد کے حق میں بھی ثباتِ قدم کی دعائیں کیں۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور ان کی وفات کے بعد خواتینِ خانہ کو صبر و رضا، جرأت و بہادری اور توکّل علی اللہ کی قابلِ تحسین توفیق عطا فرمائی۔ جس کے طفیل وہ برکتیں حاصل کیں جو مردانِ خدا کا نصیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا تسلسل نسلاً بعد نسلٍ قائم و دائم رکھے۔

اپنے خاندان کی ایمان افروز کہانی نے اپنے انداز میں لکھی جسے عزیزہ امۃ الباری ناصر نے دوبارہ تحریر کیا۔ میں احسن خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان رفیقات عمل کو جزائے خیر عطا فرمائے

آمین۔ اور قارئین کو نیک نمونہ پر عمل کرتے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔

(مربی سلسلہ) کے لئے دُعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مخلصانہ تعاون کے لئے اجر عظیم سے نوازتا رہے۔ آمین۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ حال

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا کرم ہے کہ میرے والد محترم عبدالستار حاجی ابراہیم کو اس نے اپنے فضل سے ان خوش قسمت لوگوں کی طرح چنا۔ جس نے حضرت مسیح موعود کو ماننے کی سعادت پائی۔ کچھی میمن جیسی کٹر قوم سے مقابلہ کی توفیق ملی اور آخری لمحہ تک ثابت قدم رہنا نصیب ہوا۔ ان کی انتہائی دردآمیز راتوں کی دعاؤں سے نہ صرف ہم کو احمدیت ملی بلکہ ہماری نسلوں کو بھی اس میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ یہ صرف اور صرف پروردگار کا کرم ہے۔

بابا کے حالاتِ زندگی کا تحریر میں آنا بھی الٰہی منشاء کے تحت ہے ورنہ میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ مجھ ناچیز سے اللہ تعالیٰ یہ کام لے گا۔ البتہ آپا رابعہ مرحومہ کی یہ خواہش تھی۔ انہوں نے کچھ آغاز بھی کیا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ بابا کے خطوط کو ہم سب بہنوں نے ہیرے جواہرات سے بڑھ کر عزیز رکھا۔ مجھے کس طرح تحریک ہوئی احمدیہ ہال جانے کی۔ یہ سنیئے..... میرے مرحوم شوہر مجھے بہت چاہتے تھے۔ جماعت کے کام سے جانا ہوتا۔ وہ خود اپنی گاڑی میں لاتے لے جاتے۔ میں راستے سے بالکل ناواقف رہی۔ ان کی وفات کے بعد گھر سے نکلنے کی ہمت نہ ہوتی۔ بچوں کے ساتھ کہیں جاتی۔ مگر اپنی اپنی جگہ مصروف بچوں کے ساتھ وقت کہاں ہوتا۔ جماعت میں کہیں جانے کی محرومی سے دل بہت تڑپتا۔ ایک خلش، ایک چبھن ہر وقت رہتی۔ ایک دن بہت درد سے دعا کی اور سوچا کہ تم کن والدین کی بیٹی ہو۔ ہمت کرو۔ اگر شوہر نہیں ہے تو زندگی تو گزارنی ہے۔ اکیلی گھر سے نکلی اور محمد صاحب کی قبر پر جاکر

ان کے حق میں بہت دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے ہمت طلب کی اسکے بعد راستہ پوچھتے پوچھتے احمدیہ ہال پہنچی۔ اور صدر صاحبہ سے درخواست کی کہ جماعت کی خدمت کا کچھ موقع دیں۔ آپا سلیمہ صاحبہ نے شعبہ اشاعت میں بھیجا۔ یہاں آپا باری صاحبہ اور آپا خورشید صاحبہ کے تعاون اور حوصلہ افزائی سے سیلز سیکشن میں کام کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے ورنہ مَیں تو بہت نااہل ہوں اور اپنے اوپر کوئی اعتماد بھی نہیں تھا۔

کتاب لکھنے کی تحریک ایک خواب سے ہوئی۔ دیکھا کہ بابا اپنی قبر میں اُٹھ کر بیٹھے ہیں۔ مَیں کہتی ہوں "بابا آپ کی تو حضرت مسیح موعود سے ملاقات ہوتی ہو گی نا! میرا ان کو سلام پہنچا دیجئے گا۔" انہوں نے کچھ جواب دیا جو سمجھ نہ سکی۔ بعد میں جب یہ کتاب لکھنے کی صورت بنی تو تعبیر سمجھ میں آئی کہ قبر میں اٹھ کر بیٹھنا اُن کی یاد کا زندہ ہونا اور ان کے ذکر کا ازدیادِ ایمان کا باعث بننا ہے۔ آپا باری نے دو تین دفعہ کہا کہ آپ جس طرح کا مرضی لکھ دیں بالکل گھبرائیں نہیں۔ بابا کی قربانیوں سے مجھے قرآن کریم کی ایک آیت یاد آتی ہے جس کا مضمون اس طرح ہے۔ خدا تعالیٰ کافروں سے پوچھے گا کہ تم نے کیوں نبی کو ٹھکرایا تو وہ کہیں گے کہ ہمیں علم نہ تھا۔ پھر انہیں کی قوم کے بعض لوگ دکھائے گا کہ یہ بھی تو تمہاری طرح انسان تھے۔۔۔۔ خدا کرے کہ میرے بابا ان مثالی لوگوں میں شامل ہوں۔

ہمارے بابا کی قربانیوں کی بدولت ہمیں یہ عظیم نعمت ملی۔ میری امّی جان کی ثابت قدمی بھی قابلِ رشک ہے۔ اب میرے خاندان کے بہت سارے بلکہ تین حصہ لوگ جن کا ذکر آچکا ہے موت کی آغوش میں آچکے ہیں۔ مَیں بھی آجکل بیمار ہوں۔ خدا کرے بقیہ زندگی مقبول خدمتِ دین میں گذرے۔ انجام بخیر ہو۔ میں دُعا گو ہوں اور دعا کی درخواست کرتی ہوں ان کے لئے جنہوں نے اِس کے لکھنے میں میری مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ہماری بخشش فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امّاں، بابا ۔ بہن بھائی ۔ گھر آنگن ۔ سکھیاں ۔ سہیلیاں ۔ پیڑوں پر جھولے ۔ کیریاں اور کچے امرود توڑنا، اور شرارتیں ۔ بچپن کی بے فکری اور لاابالی پن ۔ یہی کل کائنات تھی جو آنگن سے گلی اور محلّے کے چند مانوس گھروں تک محدود تھی ۔ ماں کی نرم گود بہت گرم اور میٹھی تھی ۔ مگر ہر پل احتیاط کرتی ہوئی نگاہوں میں وہ اَن لکھا آئین تھا جس پر عمل کرنا لازمی تھا ۔ بابا کے گھر میں آجانے سے یہی دستورِ عمل زیادہ سختی سے لاگو ہوجاتا ۔ قدم قدم بڑھتا ہوا شعور اردگرد کے ماحول کو زیادہ سے زیادہ جان لینے پر اکساتا ۔ رشتہ داروں کے سلوک میں شیرینی اور تلخی کا احساس ہونے لگا ۔ امّاں کی خدمت گزاری کی عادت پہلا نقش تھا جو دِل پر جما ۔ میری کہانی کے اصل کردار میرے بابا اور امّاں ہیں ۔ اس لئے کچھ تعارف کروا دوں پھر بات آگے بڑھاؤں ۔

کوئی پانچ چھ سو سال پہلے کی بات ہے ۔ ہمارے آباؤ اجداد جو ہندو تھے ۔ سندھ سے یاترا کی غرض سے ٹھٹھہ آئے ۔ ٹھٹھہ میں کسی بزرگ ولی کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا اور کچھ کے علاقے میں آباد ہو گئے ۔ مومن مقامی زبان میں 'میمن' ہوگیا اور یہ خاندان 'کچھی میمن' کہلانے لگے ۔ اس وقت کچھ علاقے پر ہندو راجہ کی حکمرانی تھی ۔ اسلام قبول کرکے یہیں کے ہو رہے اور کراچی، بمبئی، مدراس اور بنگلور وغیرہ شہروں میں پھیل گئے ۔ مختلف شہروں میں بس جانے کے باوجود آپس میں تعلّق رکھا ۔ اور مضبوط جماعتی تنظیم قائم کرلی ۔ ہر شہر کا ایک صدر ہوتا تھا ۔ خط وکتابت سے اہم مشورے

کئے جاتے۔ تنظیم کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنی جماعت کے بچوں کی تعلیم کا خیال رکھے۔ بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرے۔ شادی بیاہ پرطے شدہ رسوم کی پابندی کرائی جاتی۔ غریب لوگ جہیز میں دو۔ امیر صرف پانچ جوڑے دیتے۔ حق مہر صرف پانچ روپے مقرر کیا جاتا۔ طلاق دینا معیوب اور تقریباً ممنوع تھا۔ اگر ایسی نوبت آجائے تو تنظیم مطلقہ کے نان نفقہ کا خرچ دلاتی۔ اگر کوئی مرد کبھی میمن جماعت سے باہر شادی کر لیتا تو اس کی اولاد کو 'بستر' کہا جاتا۔ جبکہ آپس کی شادی میں اولاد 'چوکھا' کہلاتی۔ دونوں کی سماجی حیثیت میں بڑا فرق ہوتا تھا۔ بستر لوگوں کو آگے رشتوں میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا۔ زبان اور لباس بہت مختلف تھا۔ مرد شیروانی، کھلے پائنچے کا پاجامہ اور ٹوپی پہنتے جبکہ عورتیں زری کے کام والا لمبا کرتا اور چوڑے زری کے کام کے پاجامے پہنتیں۔

میرے والد عبدالستار حاجی ابراہیم کلکتہ، شیشہ گلی میں پیدا ہوئے صحیح تاریخ اور وقت محفوظ رکھنے کا رواج نہ تھا۔ والدین بچپن میں فوت ہو گئے تھے۔ دادا دادی نے پالا تھا۔ انہی کی روایت کے مطابق ۲۱ مارچ ۱۸۸۹ء مطابق ۱۹ رجب المرجب ۱۳۰۶ھ تاریخ ولادت بنتی ہے۔ ہمارا بہت بڑا خاندان تھا۔ بابا تعلیم یافتہ تھے۔ چار زبانیں سیکھی تھیں۔ ذہین تھے اور تجارت میں طبعاً بہت مشاق تھے۔ محنتی تھے۔ حلال کی کمائی ایمان تھا۔ اللہ پاک نے بہت برکت اور بہت عزت دی تھی۔ وہ ایک شوگر مل میں جنرل مینجر تھے اور جب گھر میں ان کے مرتبے کا ذکر چلتا تو اکثر یہ سننے میں آتا کہ ان کے ماتحت چار انگریز بھی کام کرتے تھے۔ ایک ہی فرم میں بیس پچیس سال

محنت سے کام کرنے سے ان کی نیک شہرت ہر طرف پھیل گئ
مقبول شخصیت تھے۔ بابا کی شادی محترم صالح محمد داؤد صاحب کی بیٹی
رضیہ بیگم سے ہوئی جو رشتہ میں بابا کے پھوپھی زاد بھائی کی اکلوتی بیٹی تھیں۔
میرے ننھیال میں ٹھیٹھ اسلامی شرفاء کا ماحول تھا میری نانی صاحبہ
کا نام مریم بائی المعروف بہ مکیہ بائی بنت حاجی عبداللہ حاجی عبدالواحد تھا۔
میری امّاں بابا سے تیرہ سال چھوٹی تھیں۔ میرے بابا کی جوانی کے متعلق امّاں
بتاتیں کہ بہت امیر تھے۔ شوقین بلکہ رنگین مزاج تھے۔ خوش خوراک بھی
بہت تھے۔ جاوا میں قیام تھا۔ ہیرے جواہرات کی خریداری ان کا مشغلہ
تھا۔ میری امّاں کو بہت زیورات خرید کر دیتے۔ پھوپھی جان اور چچا زاد بہن کو
ایک طرح کا تحفہ دیتے۔ ٹھاٹھ کا یہ عالم تھا کہ سب سے قیمتی سامان خریدتے
گھر پُر آسائش تھا۔ گاڑی تھی جس میں فون لگا تھا سفر جس بھی ذریعے سے کریں
فرسٹ کلاس ہوتا۔ ۲ر اگست ۱۹۱۶ء کو میری سب سے بڑی بہن عائشہ پیدا
ہوئیں۔ پھر اللہ پاک نے ۲۴ر اپریل ۱۹۲۱ء کو جاوا میں پیاری بہن رابعہ عنایت
فرمائیں۔ اور آپا رابعہ کے چھ سال بعد ۲۷ر اگست ۱۹۲۷ء کو خاکسار پیدا ہوئی رفیعہ
نام رکھا گیا۔ میری چھوٹی بہن ریحانہ ۲۳ر مئی ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئی۔ میں پانچ
چھ سال کی تھی جب بابا کی پوسٹنگ بہار کے ضلع موتی پور میں ہو گئی۔
موتی پور میں بھی بابا کا بڑا وقار اور دبدبہ تھا اور ہر آسائش تھی مگر وہ سارے
خاندان کو اکٹھا رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے عالی شان مکان، گاڑی، نوکر چاکر
کی سب سہولتیں چھوڑ کر کلکتہ میں کرائے کے مکان میں رہائش اختیار
کر لی۔ کنبہ پرور تھے۔ بزرگوں کی خدمت احسن رنگ میں کرتے۔ جن خاتون
کو ہم دادی کہتے تھے وہ ہماری اصلی دادی نہیں تھیں بلکہ بابا کی سگی

چچی تھیں جن کے سارے خاندان کو گھر کے افراد بنالیا۔ ایک چچا تھے سادہ اور غریب مزاج کے۔ بابا سے بہت محبت کرتے تھے۔

بابا نے چچیوں، پھوپھیوں وغیرہ کو امّی کے چچا کے پاس ملک پور کی بڑی حویلی میں ان کی سرپرستی میں رکھا اور خود کلکتہ آ گئے۔ کلکتہ میں میمن جماعت کے صدر یونس سیٹھ صاحب کی بہت بڑی کوٹھی تھی جس کے چار حصّے تھے۔ تین حصّوں میں وہ خود رہائش پذیر تھے۔ ایک حصہ بابا کو ان کی شرافت کی وجہ سے کرایہ پر دے دیا اور یہ بہت ہی اچھا ہوا کیونکہ خاندان میں بابا کے علاوہ ایک چچا ہی مَرد تھے باقی سب خواتین تھیں۔ پھوپھیاں بہت پیار کرنے والی تھیں۔ بابا کے ایک دوست تھے چھبیل داس اور ان کے چھوٹے بھائی مدن لال تھے۔ چھبیل داس صاحب نے مدن لال کو ہمارے بابا کے سپرد کر دیا تھا۔ ان کی حیثیت بھی گھر میں بچّوں جیسی تھی۔ امی جان پَردہ کرتی تھیں وہ گھر میں آواز دے کر آتا۔ امّی اوٹ میں ہو جاتیں۔ وہ سارے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلتا۔ بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ فریج میں رکھی ہوئی ڈِشیں بھی صاف کر جاتا۔ گوشت اِسے بہت مرغوب تھا۔ امّی کہیں اپنے رشتہ داروں سے ملنے جاتیں تو عام رہائش کے انداز میں بہت زیادہ فرق ہونے کے باوجود بڑے اخلاق سے ملتیں۔ منکسر المزاج تھیں۔ رشتہ دار بھی بہت عزت و تکریم کرتے۔

خاندان کلکتہ میں منتقل ہو چکا تھا۔ اس طرف سے بے فکری تھی۔ لیکن بابا کو ملازمت میں اتار چڑھاؤ کا سامنا رہا۔ ان تھک محنت کی وجہ سے مل کا مالک سیٹھ عبدالرحیم عثمان عزت تو کرتا تھا مگر حقوق کی ادائیگی میں ڈنڈی مار جاتا جِس سے بد دِلی ہوتی۔ ایک اَور مسئلہ کھڑا ہوا کہ میمن قوم کے ہی ایک اَور سیٹھ سلیمان احمد کی ذاتی مِل تھی۔ وہ کسی دوسرے کو جمنے کے مواقع نہ دیتا۔ بابا

کو اکھاڑنے کی اس نے بہت کوشش کی۔ حتیٰ کہ جان پر بھی حملہ کیا۔ مگر بابا اپنی وفاداری سے باز نہ آئے تو اس نے ایک اور ترکیب کی اور بھاری رشوت پیش کی۔ اس زمانے کے دو لاکھ روپے کا اندازہ اب نہیں ہوسکتا۔ وہ پوٹلی لے کر آئے اور کہا کہ ہم نے ہر کوشش کر لی مگر آپ کمال کے ڈھیٹ ہیں۔ اب یہ آخری صورت ہے۔ اس نے بد اخلاقی کی مار ماری تھی مگر بابا کی اخلاق کی مار جیت گئی۔ بابا نے کہا۔ "آپ پوٹلی اٹھالیں تو ہم آج سے دوست ہیں" یہ تو ایک واقعہ تھا اس طرح کی کئی اور باتوں سے مل کی آمدنی کم ہوگئی تو مالک سیٹھ نے بے رخی اختیار کر لی۔ بابا نے ملازمت چھوڑ کر چائے کافی کا کاروبار شروع کیا جس میں کافی ترقی ہوئی۔ بابا سے شوگر مل کے مالک سیٹھ عبدالرحیم عثمان نے بڑی معذرت کی اور بہت وعدے وعید کئے کہ اب ہم ضلع موتی پور میں نئی شوگر مل لگانا چاہتے ہیں۔ آپ کام جانتے ہیں آپ ہی کام سنبھالیں۔ بابا کے پاس کوئی ملازمت نہیں تھی اس لئے کچھ سوچ کر حامی بھر لی۔ اس دفعہ یہ مل سیٹھ عبدالرحیم عثمان صاحب اور سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب کی شراکت میں بنی تھی سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب بابا کے رشتہ کے خالو بھی تھے۔ لہذا بابا نے کام شروع کیا۔

۲۵ اپریل ۱۹۲۶ء میں بابا کو ایک صدمہ دیکھنا پڑا۔ بابا کے والد یعنی ہمارے دادا حاجی ابا محمد عثمان وفات پا گئے۔ ان کی عمر سو سال تھی۔ بابا کام سے جا دا گئے ہوئے تھے دادا جان کو بابا سے بے حد پیار تھا۔ ہر لمحہ بابا کو یاد کرتے۔ وفات کے وقت بھی ان کی آنکھیں دروازے پر تھیں اور ہاتھ دعا کے لئے اٹھے تھے۔ دادا جان کے متعلق ایک بات مجھے یاد ہے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ روزانہ بکرے کی دو آنکھیں سیخ پر بھنوا کر کھاتے تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے یہ سیخ آتی۔ ہم بچے آنکھیں بند کر کے کمرے سے بھاگ جاتے۔ اتنا علم ہے کہ دادا جان کی بینائی آخری لمحہ تک ٹھیک رہی مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسکی وجہ یہی

آنکھ نوری تھی۔ بہت بچپن کی باتوں میں سے ایک اور بات ذہن پر نقش ہے بابا ہم کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے تھے بلکہ بات کو اس طرح سمجھاتے کہ ذہن نشین ہو جاتی۔ ایک روز بابا اخبار پڑھ رہے تھے۔ ہم کسی تقریب سے آئے تھے۔ پھوپھی جان اور باجی آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ فلاں نے اپنے کپڑوں کی قیمت بہت بڑھا چڑھا کر بتائی۔ سراسر غلط بیانی سے کام لیا جبکہ ہم اصلی قیمت سب کو بتا دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم بھی بڑھا کر بتایا کریں۔ بابا نے بڑے پیار سے دونوں کو بلایا اور کہا۔

"بیٹا ان لوگوں نے معمولی کپڑوں کی قیمت تو بڑھا دی مگر تم نے غور نہیں کیا کہ اپنی قیمت خدا کی نظروں میں گرا دی۔"

اس طرح کی نصائح تھیں کہ آج جب میں پلٹ کر اپنی زندگی پر نظر ڈال رہی ہوں تو اور برائیاں تو نظر آ رہی ہیں مگر جھوٹ کا کہیں شائبہ بھی نہیں ملتا۔ اللہ پاک ہمیشہ محفوظ ہی رکھے آمین۔

۱۹۳۴ء میں بہار کا قیامت خیز زلزلہ آیا۔ زلزلے کے جھٹکے کلکتہ میں بھی محسوس ہوئے مگر ہمارے بابا اس وقت موتی پور میں تھے اور وہاں شدید زلزلہ آیا تھا۔ ستائیسواں (۲۷) روزہ تھا۔ بابا نے بتایا کہ وہ اپنے مکان میں تھے۔ غسل کر کے باہر آئے تو زلزلہ محسوس ہوا۔ اوپر کی منزل سے نیچے کود گئے اور اسی لمحہ سب مکان کسی کھلونے کی طرح زمین پر آ رہے۔ خدا تعالیٰ نے بابا کی جان بچائی بلکہ مل بھی بچائی۔ موتی پور میں، گیارہ ملیں تباہ ہو گئیں صرف بابا کی شوگر مل بچ گئی۔ بابا نے تباہی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ حوصلے والے جاندار آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کو سنبھالے رکھنے کی ہمت دی۔ زمین نے اپنا دہانہ کھول کر بہت سا حصہ زمین مکانوں اور مکینوں سمیت ہڑپ کر لیا۔ کہیں سے چشمے

اُبلنے لگے۔کہیں پُرانے تناور درخت جڑوں سے اکھڑ کر اڑنے لگے۔گھڑگھڑاہٹ کا کان پھاڑتا ہوا ہیبتناک شورِ قیامت اور لوگوں کی خوفزدہ چیخیں، افراتفری کا عالم تھا۔کچھ ہوش وحواس درست ہوئے تو بابا نے زمین پر خیمہ لگایا اور بیٹھ رہے۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ یہاں سے نکل جائیں۔ بابا کا جواب تھا۔ مالکوں نے مل میرے حوالے کی تھی میں اس طرح کیسے چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔

عید کا دن تھا۔ ہمیں کچھ خبر نہ تھی بابا کس حال میں ہیں۔ اتنے میں اخبار آیا جس میں لکھا تھا کہ بہار کی گیارہ ملیں تباہ ہوگئیں۔ صرف سیٹھ عبدالرحیم عثمان صاحب کلکتہ والے کی شوگر مل بچ گئی وہ ایک خیمہ میں فروکش ہیں۔ باہر سے امداد بھجوائی جا رہی ہے۔ یہ عید اس طرح منائی گئی کہ سب خاندان والے اور سیٹھ یونس عثمان صاحب کے اہلِ خاندان جمع ہو کر اور رو رو کر دعائیں کرتے رہے انہوں نے بڑی ہمدردی اور پیار کا سلوک کیا۔ بابا کو علم نہیں تھا کہ ہمیں ان کے بچ جانے کی خبر مل گئی ہے۔ پندرہ دنوں کے بعد نوکروں کو بلا کر مشورہ کیا کہ کس طرح گھر والوں اور سیٹھ عبدالرحیم صاحب تک اطلاع پہنچائی جائے۔ جان جوکھوں کا کام ہے۔ کوئی سڑک، کوئی سواری، ریل گاڑی میسّر آنا مشکل ہے۔ اسی فکر میں تھے کہ ایک چالیس سالہ شخص اور ان کے بیٹے نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ سفر کی صورت یہ نکالی کہ سائیکل کے پیچھے ایک تختہ لکڑی کا باندھ لیا اور کھانے پینے کا کچھ سامان لیا۔ جہاں رستہ کی ناہمواری یا پانی آجانے سے دشواری ہوتی تختہ رکھ کر نکل جاتے۔ کسی کسی جگہ ٹرین بھی مل جاتی جو رینگ رینگ کر چلتی۔ اس جانفشانی سے سفر کرتے ہوئے وہ موتی پور پہنچے اور بابا کا رقعہ امّی جان کو دیا۔ بابا نے لکھا تھا۔

”رقیہ میں زندہ ہوں۔ سلامت ہوں۔ خیمہ میں دن گزار رہا ہوں۔

فکر مند مت ہونا۔ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔ سیٹھ صاحب آجائیں تو مل ان کے حوالے کر کے نکلوں گا" عبدالستار

دادی اماں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر اس پیغامبر کو دعائیں دیں۔ ہم سب بے حد ممنون ہو رہے تھے۔ یہ پُرعزم و حوصلہ پیغامبر ایک احمدی تھے۔ جن کا نام سید نورالحسن صاحب تھا۔ ہماری شکر گزاری پر وہ انکسار سے جواب دیتے ہم تو سیٹھ صاحب کو اس قدر چاہتے ہیں کہ ان کے لئے جان بھی حاضر ہے۔ امی نے اپنی خیریت کی اطلاع بھجوائی۔ پھر ہمیں علم ہوا کہ بابا جان بہت بیمار ہو گئے ہیں۔ ان کو ہارٹ کا پرابلم تھا۔ امی جان مجھے لے کر چچا کے ساتھ موتی پور پہنچ گئیں۔ میرے تو عیش ہو گئے۔ میں سات سال کی تھی۔ امی تیمار داری میں مصروف رہتیں اور میں خوب کھیلتی۔ وہاں ہر طرح کے خوشی کے سامان تھے۔ پڑوس میں سید نورالحسن صاحب کی فیملی رہتی تھی۔ وہ بابا کے ماتحت تھے مگر آپس میں دوستانہ ماحول تھا۔ بابا نے تین ماہ کی چھٹی لی اور ہم سب کلکتہ آگئے۔ بابا اپنی خدمات کی وجہ سے علاج کے خرچ اور پنشن کا حق رکھتے تھے مگر اچانک اطلاع ملی کہ بابا کو نوکری سے برخاست کر دیا گیا ہے اور کسی قسم کا کوئی فنڈ نہیں دیا گیا حالانکہ مل کے ایک مالک سیٹھ عبداللہ ہارون صاحب رشتہ میں بابا کے خالو تھے۔

بیماری میں یہ جھٹکا لگا مگر اس میں اللہ پاک کی حکمت تھی۔ وہ قادر و توانا خدا ان کو دنیاوی سہاروں سے بے نیاز کر کے اپنا بنانا چاہتا تھا۔ اس لاچاری میں میری امی نے بڑی وفاداری سے بابا کی خدمت کی۔ میری امی بہت دانا عورت تھیں میرے ننھیال کے حالات بھی عجیب تھے۔ نانا عیاش آدمی تھے۔ گھر میں سکون نہ تھا۔ داماد سے بھی نبھا کر نہ رکھی۔ لہٰذا امی بہت کم نانا نانی کے گھر جا سکتیں۔ امی کے ایک چچا تھے بہت پارسا پرہیزگار تھے۔ دیہات میں بہت زمینیں تھیں۔ حویلی نما

گھر میں رہتے۔ ہم بھی چھٹیوں میں وہاں جاتے تو بڑا لطف آتا چچا کا نام نور محمد داؤد تھا
بابا جب جاوا میں تھے تو ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پسماندگان میں تھے۔ بابا تو ان کی سرپرستی بھی قبول کرنے کے لئے تیار تھے مگر پاسپورٹ وغیرہ کا مسئلہ ہو گیا۔ بچوں کے خالو نے بڑے لڑکے کو اپنی فرم میں ملازمت دے دی اور اپنی منجھلی بیٹی سے رشتہ بھی کر دیا۔ تین کو علی گڑھ کالج بھیج دیا اور سب سے چھوٹے بیٹے نور محمد کو پھوپھی اپنے ساتھ لے گئی۔ یہ سب کردار ہماری داستان میں شامل ہیں اس لئے ذکر کر دیا۔ بات ہو رہی تھی باباجان کی بیماری اور بے روزگاری کی۔ امی نے جب بابا کو پریشان دیکھا تو اپنا زیور کا صندوق لا کر بابا کے آگے رکھ دیا۔ اس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ ایک ایک زیور بکتا رہا اور سارے کنبے کا خرچ چلتا رہا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ اس پریشانی کے وقت کس طرح گزارا ہوا۔ ایسے حالات تھے جب بہن کی شادی عظیم بھائی سے ہوئی۔

بابا کی پریشانی میں ان کے واقف کار ان کا حال پوچھنے آتے۔ ان میں کچھ احباب احمدی بھی تھے۔ بابا کی شریف مزاجی اور مطالعے کے شوق سے واقف تھے۔ انہیں محسنوں نے کتابوں کی شکل میں روحانی خزائن سے ہمارا گھر بھر دیا۔ بابا تقریباً ہر وقت مطالعہ کرتے۔ پھر لمبی لمبی نمازیں پڑھتے۔ ان کی کیفیت بدل گئی تھی۔ امی کبھی خرچ کا مطالبہ کرتیں تو کہتے سب کا رازق خدا ہے اس سے مانگو۔ سجدہ میں مانگو وہی دے گا۔ خود بھی دعاؤں میں مصروف رہتے۔ بابا کا انہماک دیکھ کر لاہوری جماعت کے کسی شخص نے بھی بابا کو کتابیں دیں۔ بابا نے استخارہ کیا تو دیکھا کہ دو طرف نماز باجماعت ہو رہی ہے ایک جماعت کے تمام افراد نماز پڑھتے پڑھتے سو گئے اور دوسری جماعت نے بڑی عمدگی سے

نماز پڑھی۔ خواب ہی میں بابا نے کسی سے پوچھا کہ یہ کونسی جماعتیں ہیں تو جواب ملا جو سو گئے وہ لاہوری ہیں۔ جنہوں نے پوری نماز پڑھی وہ احمدی ہیں ان کا ایک خلیفہ بھی ہے۔

بابا کا شرح صدر ہو چکا تھا۔ احمدی احباب سے تعلقات میں اضافہ ہو رہا تھا دنیا کمانے کا ہوش نہیں تھا۔ دگرگوں حالات دیکھ کر رشتہ دار کنارہ کرنے لگے۔ یہ ایک طرح سے اللہ پاک کی طرف سے سبکدوشی کا سامان تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل واحسان سے سچائی کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ بابا نے دل سے احمدیت قبول کر لی تھی۔ دادی اور پھوپھی کے سامنے دانستہ اظہار نہ کیا تھا۔ امی اور بہنوں کو سمجھاتے۔ میری عمر نو سال تھی مگر میں سب سمجھتی تھی۔ ہماری دادی آپا رابعہ سے بہشتی زیور قصص الانبیاء وغیرہ پڑھوا کر سنتیں جن میں ذکر ہوتا کہ امام مہدی تشریف لائیں گے اور حضرت عیسیٰؑ نزول فرمائیں گے۔ یہ سب چودھویں صدی میں ہوگا۔ آپا رابعہ بے چین ہو کر سوچتیں کہ ان کو بتا دیا جائے کہ موعود مسیح و مہدی تشریف لا چکے ہیں مگر بابا کی مصلحت کے پہرے ہونٹوں کو بند رکھنے پر مجبور کرتے۔

بابا کا اُٹھنا بیٹھنا ایک حکیم صاحب کے ساتھ تھا جو نیچے کی منزل میں مطب کرتے تھے۔ ان کا نام حکیم زکریا تھا۔ بوقت وفات انہوں نے بابا سے وعدہ لیا کہ ان کی بیویوں اور بچوں کی ہر طرح سرپرستی کریں گے اور ہر معاملے میں رہنمائی کریں گے۔ ان کی وفات کے بعد بابا نے ایک حکیم غلام زکریا صاحب سے رابطہ کیا اور وہ مطب چلانے لگے۔ مرحوم کے لڑکے بھی سعادت مند تھے۔ بابا کی بہت عزت کرتے تھے۔ بابا نے اُن سے احمدیت کا تعارف کروایا۔ چند دنوں میں انہوں نے بھی احمدیت قبول کر لی۔ پھر بابا نے خاندان کے افراد کو ایک کمرے میں بلا کر ہدایت دینی شروع کی۔ کئی دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ تہجد

ہوتی، نمازیں ہوتیں، اور خوب رو رو کر دعائیں ہوتیں۔ اللہ پاک نے فضل کیا اور سب نے احمدیت قبول کر لی۔

ابھی تک یہ بات گھر کے افراد تک تھی۔ ہوا یہ کہ ہمارے گھر کے سامنے عمومی لائبریری میں "الفضل" آتا تھا۔ اس میں میرے بابا کی قبولیتِ احمدیت کی خبر میمن قوم کے کچھ افراد نے پڑھ لی۔ ہم جس مکان میں رہتے تھے اس کے باقی تین حصوں میں تین بھائی رہتے تھے جو مالک مکان تھے اور قوم کے سردار بھی تھے۔ ہماری مفلسی اور بابا کی بیماری سے واقف بھی تھے۔ بڑے بھائی یونس عثمان صاحب اپنی بیوی کے ساتھ حج پر گئے ہوئے تھے۔ دوسرے بھائی عبدالکریم جو اُن کے بھتیجے تھے شریرالنفس تھے۔ وہ سب معلومات جمع کر رہے تھے اور اپنے بھائی کا انتظار کر رہے تھے۔ یونس عثمان صاحب سے بابا کے بہت اچھے مراسم تھے۔ لڑکیوں کے رشتوں میں بہت مدد کی تھی۔ حج کے موقعہ پر بابا کی صحت اور اولاد نرینہ کے لئے دعا مانگ کر آئے تھے۔ آپا رابعہ کو تو اپنی بیٹی کی طرح چاہتے تھے حتیٰ کہ اپنی وصیت میں آپا رابعہ کا حصہ رکھا تھا۔ شادی کے اخراجات کے لئے الگ رقم رکھی تھی۔ جب وہ حج سے واپس آئے سب میمن جماعت کے لوگ استقبال کرنے پہنچے۔ جہاز سے اترتے ہی بابا پر نظر پڑی تو سب سے پہلے ان سے تپاک سے ملے اور خیریت دریافت کی عبدالکریم اور اس کے ہم خیالوں کو یہ بات ناگوار گزری جس کو بابا نے بھانپ لیا۔ گھر آئے تو نفل پڑھے اور امی سے کہا "مجھے سب کے تیور اچھے نہیں لگتے۔ دعا کرو کہ دنیاوی پیار کے رشتہ کے آگے کمزور نہ پڑ جاؤں اور یہ سر صرف خدائے قادر و توانا کے آگے ہی جھکے۔"

بابا نے ان حالات سے احمدی دوستوں کو باخبر رکھا۔ کلکتہ کا مشہور علاقہ

بڑی مسجد زکریا اسٹریٹ میمن جماعت کا تھا۔ ان کے قریب احمدیوں کی دکانیں تھیں۔ صدیق بانی صاحب، مولوی سلیم صاحب اور مفتی شمس الدین صاحب احباب سے بابا کا رابطہ تھا۔ مجھے یاد ہے ان سے 'الفضل' اور کتابیں لانے اور واپس دے کر آنے کا کام میں ہی کرتی تھی کیونکہ بابا کو بیماری کی وجہ سے پلنگ سے اٹھنے اور گھر سے نکلنے کی اجازت نہ ہوتی۔ بابا میمن جماعت میں تیسرے شخص تھے جنہوں نے احمدیت قبول کی تھی۔ دو رفیقِ مسیح تھے ایک محترم سیٹھ اللہ رکھا صاحب مدراس کے دوسرے محترم سیٹھ اسماعیل آدم صاحب۔

یونس عثمان صاحب اگلے ہی دن ہمارے گھر آئے۔ غصّے سے بھڑکتی آگ بنے ہوئے۔ اس کو زعم تھا کہ میرے آگے بھلا حاجی عبدالستار کس طرح بول سکے گا۔ مگر حاجی عبدالستار کے پیکر میں ایک مجبور بیمار انسان کی روح نہیں خداتعالیٰ پر کامل ایمان کا جوش و جذبہ حلول کر چکا تھا۔ یونس عثمان نے متکبرانہ انداز میں سوال کیا۔

"سُنا ہے تم قادیانی ہو گئے ہو۔"

"آپ نے درست سنا ہے۔" بابا نے جواب دیا

"تم کو اس کفر سے توبہ کرنا ہو گی ورنہ جماعت سے نکال دیا جائیگا۔" یونس عثمان نے کہا۔

"آپ دو منٹ دیں میں وضاحت کروں گا۔" بابا نے مصالحانہ طریق سے کہا۔ "ہرگز نہیں۔ تم توبہ کرو یا میرا مکان خالی کرو۔

سارہ اور عائشہ کو طلاق اور زکیہ کی منگنی توڑ دی جائے گی"

پھر دادی کو بلایا اور کہا۔

"آپ اپنا بوریا بستر باندھ کر ہمارے گھر آجائیں ورنہ سارہ کے ساتھ رحمت

کو بھی طلاق دلوائی جائے گی اور اس کے شوہر کو نوکری سے نکال دیا جائیگا"
یونس عثمان نے سارے فیصلے ایک ساتھ سنا دیئے۔ دادی نے کہا
"میں اپنے بیٹے کو کیوں چھوڑ دوں۔ کبھی ماں بیٹا بھی جدا ہوئے ہیں۔
ساری عمر اس نے جسے پیار سے سنبھالا ہے۔"
"تو پھر ایک ہی صورت ہے اسے کھوٹے دین سے توبہ کرے۔"
دادی بیچاری اس لازوال نشے سے بالکل ناواقف تھیں جس سے ان کا بیٹا یکسر مخمور تھا ایک دم پاؤں پڑنے لگیں اور منت سماجت کرنے لگیں۔ توبہ کر لو بیٹا ورنہ میری بیٹیوں کا کیا ہوگا۔ اس بڑھاپے میں تم سے الگ نہ رہ سکوں گی۔ بابا نے بڑے پیار سے سمجھایا کہ میں یہ دین نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ اگر میرا ساتھ نہیں دے سکتیں تو میں صبر کر لوں گا۔ اسی طرح رحمت بائی اس کا شوہر اور بچے جو بھی میرا ساتھ نہ دے سکے گا میں برداشت کر لوں گا۔ فی الحال مجھے کچھ وقت سوچنے کا دیں۔
یونس عثمان صاحب کے گھرانے کے سب بچوں سے میری دوستی تھی اودھم دھما چوکڑی مچاتے رہتے۔ اس سارے واقعے سے ہمارے کھیلنے میں کوئی فرق نہ پڑا۔ سوائے اس کے کہ میں اپنے گھر کی کیفیت کو دیکھ سمجھدار ہو گئی تھی۔ وہ سب نادان بچی سمجھ کر سب پروگرام بناتے اور سمجھتے کہ میں بھلا کیا سمجھوں گی۔ مگر مجھے سمجھ تھی اور میں سب کچھ ہی آکر اماں کو سناتی۔ امی کے آنسو بہہ رہے ہوتے مگر میں آتی تو اماں توجہ سے بات کو سنتیں جس سے مجھے احساس ہوا کہ میں کوئی اہم کام کر رہی ہوں۔ پھر میری دادا کو بھی منع کر دیا کہ ہماری خدمت نہ کرے۔ نوکر بھی آپس میں باتیں کرتے کہ ان کے گھر اب کام نہیں کرنا۔
پھر وہ رات آئی جو ہمیشہ آنکھوں میں جاگتی رہتی ہے۔ بابا نے ہم کو کمرے میں

جمع کیا۔ اور اس طرح سمجھایا کہ ہماری آزمائش کا وقت آگیا ہے۔ میں یہاں رہا تو وہ ہر وقت طلاق کی دھمکیاں دیں گے اور سب کا سکون غارت کریں گے۔ میں عارضی طور پر تم لوگوں کو چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا۔ میری نصیحت ہے۔ صرف جائے نماز پر اللہ سے فریاد کرنا۔ وہ رازق ہے تمہیں رزق مہیّا کرے گا۔ طلاق وغیرہ کے کسی کاغذ پر دستخط نہ کرنا۔ بچوں کا خیال رکھنا۔ میں عظیم بھائی کے پتہ پر اطلاع دیتا رہوں گا۔ بابا نے مدن لال سے کچھ رقم ادھار لی۔ احمد کبیر نے باقی انتظام کیا اور وہ بابا جن کو دل کی تکلیف تھی خاموشی سے اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر ٹرین سے روانہ ہو گئے۔ میرے بچپن کی انمٹ یادوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ادھر ادھر جائزہ لے کر کہ نوکر چاکر سامنے نہیں، ابّا کو سیڑھی سے اتارتا تھا۔ اب میں پہلے بابا جان کے پہلی منزل پر پہنچنے کے بارے میں بتا دوں پھر کہوں گی ہم پر کیا گزری۔

میری سارہ پھوپھی کی شادی لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ شادی کے بعد وہ پہلی دفعہ کلکتہ آنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک بابا لکھنؤ ان کے گھر پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ پھوپھا کو کسی کام سے کلکتہ آنا تھا۔ ان کے ہاتھ بابا جان نے خط بھیجا۔ پھوپھا نے خفیہ آکر دادی کو خیریت بتائی اور خط بھی دیا۔ یہ خط جذبۂ ایمانی سے بھرپور ہے اس لئے درج ہے:

رقیّہ!

وَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ

اور ہم نے اُسکو اور اُسکے اہل کو مصیبت عظمیٰ سے نجات دیدی

آج صبح کو پہلی مرتبہ قرآن شریف کھولنے پر سب سے پہلے جس آیت پر نظر پڑی وہ اوپر میں لکھی ہے اور میرا تو دین ایمان اسلام مذہب مشرب جو کچھ ہے وہ

یہی زندہ کلامِ الٰہی ہے جس سے میں ہر وقت باتیں کرتا ہوں اور مجھے میری ہر بات کا جواب ملتا ہے اور میرا پورا یقین ہے کہ یہ جواب سچا ہے اور ایسا ہی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بظاہر تم لوگوں کو ابھی نظر نہ آیا ہو اور کچھ دیر لگے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اس پر تم لوگوں کو اطمینان ہو جانا چاہیئے۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب قوم، بادشاہ وقت اور باپ نے تکلیف دی تو یہ کہہ کر روانہ ہو گئے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ یعنی میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا۔ میں نے اس پر عمل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایسے جلیل القدر پیغمبر کی نقل کرنے کے صدقے میں میرے گناہوں کو بخش دے۔

اب نیچے کی آیتوں پر پوری طرح غور کرو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا (النساء، ۹۸) فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ یعنی "جب گناہ گاروں کی روح فرشتے قبض کر رہے ہوں گے تو کہیں گے کہ تمہارا کیا حال ہے وہ کہیں گے ہم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے پس ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا اور وہ رہنے کے لحاظ سے بہت ہی بری جگہ ہے"۔ یہ تو حکم ہے میرے لئے جس پر میں عمل کر رہا ہوں۔ تم لوگوں کے لئے جو حکم ہے وہ بھی سن لو

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً

وَلَا یَہۡتَدُوۡنَ سَبِیۡلًا ۙ فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّعۡفُوَ عَنۡہُمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ۝ (النساء ۹۹) "یعنی سوائے ان لوگوں کے جو ضعیف اور مجبور ہیں مردوں میں سے اور عورتیں اور بچے جو اس کی استطاعت اور طاقت نہیں رکھتے کہ ایسا حیلہ اور حرکت کر سکیں تو قریب ہے کہ ایسی مجبوریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دے اور اللہ تو بہت ہی بڑا زبردست معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے"۔ دوسری آیت کے مطابق تم لوگ کہو گے کہ میں بھی تو بیمار کمزور اور مریض تھا مگر اب نیچے کی آیت پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ میرے دین اور دنیا کی بہتری کا ہے اس کا فائدہ کیوں نہ اٹھاؤں کیونکہ میرا تو اس کے ایک ایک لفظ پر ایمان ہے۔

وَمَنۡ یُّہَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّ سَعَۃً ؕ وَ مَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ثُمَّ یُدۡرِکۡہُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۝ (النساء ۱۰۱) یعنی جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرتا ہے تو زمین میں بہت کشادگی ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ بہت رزق کشادہ کر دے گا اور جو شخص اپنے گھر کو اور وطن کو چھوڑ کر اللہ اور رسول کے واسطے ہجرت کرتا ہے اور اس کے درمیان میں اس کو موت آ جاوے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

مذکورہ بالا آیتوں کو بار بار پڑھو سمجھو غور کرو پھر پڑھو۔ جو شخص بھی پڑھے اور غور کرے اس کا ایک ایک لفظ صحیح ہے جس میں فرق نہیں ہے۔ سب سے بڑی فکر جو تم لوگوں کو ہو گی وہ یہ کہ میں کہاں ہوں کیسا ہوں۔ میری صحت کیسی ہے۔ سنو! میں جہاں کہیں بھی ہوں اچھا ہوں، تندرست ہوں زندہ ہوں اور تم لوگوں کو یہ

خط لکھ رہا ہوں جو انشاء اللہ کسی نہ کسی طرح تم لوگوں کو پہونچ ہی جائے گا لہٰذا اس بات کا اطمینان رکھنا چاہیئے کہ مَیں اپنی صحت کی حتی الامکان حفاظت کرتا رہوں گا۔ سب سے بڑا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میری سفر کی پہلی منزل الحمدللہ بہت کامیاب رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بہت اطمینان کرا دیا ہے جس سے امید ہے کہ انشاءاللہ یہ سفر دین و دنیا ہر لحاظ سے کامیاب رہے گا۔

تم لوگ مجھے مجبور کر رہے تھے مگر یہ اگر کوئی دنیا کا معاملہ ہوتا تو مَیں غلط یا صحیح جو کچھ بھی ہوتا اپنا سر جھکا دیتا مگر افسوس کہ یہ میرے دین اور ایمان کا معاملہ ہے اور اب مجھے بہت جلد اس بڑی عدالت میں جانا ہے جہاں نہ رقیہ میرے کام آئے گی نہ عائشہ نہ زکیہ نہ رابعہ نہ ریحانہ نہ خوشی بھائی نہ کوئی اور مجھے خود کو نپٹنا ہوگا تو اس معاملہ میں تو اب یہ سر صرف ایک ذات واحد القہار کے آگے جھکے گا۔ تم لوگوں میں سے ہر ایک عاقل و بالغ ہے اور اسی طرح ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی کرنی ہے۔ جو سمجھ اللہ دیوے کرو اور اگر اپنی کم علمی کی وجہ سے کچھ غلطی بھی ہو گی تو اللہ تعالیٰ کوئی دیوبندی، بریلوی، حنفی علماء کی طرح ظالم نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[ط] کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اور رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کہ ہم جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں بخشتے ہیں اور ہمارے تمام صفات میں رحمت ہی سب سے زیادہ وسیع ہے اور ہر چیز پر حاوی ہے۔

یونس بھائی میرے محسن ہیں۔ میرے پاس ان کے لئے صرف دعا کے سوا کچھ بھی نہیں ہے یہ وقت گذر جائے گا اور کبھی ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقعہ آئیگا اور اللہ تعالیٰ وہ وقت بہت جلد لائے کہ یہ سوچنے لگیں کہ کیا اللہ تعالیٰ ان باتوں سے

ط (البقرہ: ۲۸۷)

خوش ہو سکتا ہے کہ بھائی کو بھائی سے جدا کیا جائے بہن کو بھائی سے جدا کیا جاوے ماں کو بیٹی سے جدا کیا جاوے چھوٹے چھوٹے بچوں کو رلایا جاوے۔ کلپایا جائے، مریضوں کو مرض میں تکلیف دیا جائے ایسا مریض جو زندگی کے باقی دن گن گن کر گزار رہا ہو اس کے ساتھ یہ سلوک ہو کہ وہ ایسی حالت میں اس سفر پر مجبور ہو، تنگدست ہو، بیکس ہو پھر اتنا ہی نہیں بلکہ رزق کی تلاش میں جہاں جہاں جائے اس کے پیچھے جاسوس لگے ہوں (یہ فعل مجھے یقین ہے کہ یونس بھائی کا نہیں ہے مگر دوسروں نے ایسا کیا ہے) لڑکیوں کی نسبت تڑا دی جائے۔ شوہروں سے بیویوں کو طلاق دلا دی جائے اور یہ سب کس لئے کہ چند عقائد بدل دیئے جائیں اور توبہ کر لی جاوے مگر یونس بھائی جیسا سمجھدار اور عقلمند آدمی اگر غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ کبھی بھی دنیا میں جبر سے کسی کے عقائد بدلے جا سکتے ہیں۔ کبھی دنیا کی ہسٹری میں ایسا ہوا ہے۔ اگر میرے جیسا مریض اس سفر میں مر جائے تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ خون کس کس کی گردن پر ہوگا۔ کاش یونس بھائی اس میں اپنا ہاتھ نہ رنگے اور یہ ثواب قتل مرتد کا مولویوں اور علماء کیلئے چھوڑ دیتے۔ کاش وہ مجھ سے آدھ گھنٹہ بات کر لیتے۔ بہر حال میں ان کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ ہدایت دیوے اور میرے مولیٰ کریم نے جو کچھ مجھے دکھایا ہے وہ ان ظاہر پرست مولویوں کو تو کیا نظر آئے گا مگر میرے محسن کو وہ دکھا دے۔

مہاجر فی سبیل اللہ۔

گناہ گار۔ عبد الستار

ہمارے ساتھ یہ ہوا کہ یونس عثمان صاحب کی بیگم جس کا امی سے دوستانہ تھا ملنے آئیں تو ان کو خبر ہو گئی کہ بابا نا معلوم منزل کے لئے گھر سے جا چکے ہیں زبردست طوفان آیا۔ میمن جماعت کے بڑوں کے فیصلے کے مطابق ہمیں جماعت سے نکال

دیا گیا۔ دودھ والا، ڈبل روٹی والا تک ہمارے گھر نہیں آ سکتے تھے۔ بائیکاٹ کا عام اعلان ہو گیا۔ اس مشکل وقت میں صرف دو خواتین ملنے آئیں۔ ایک غریب عورت خالہ زینب اور دوسری امّی کی چچازاد بہن فاطمہ۔ ان کی ساس جن کو خاندان بھر میں بڑی اماں کہا جاتا تھا، نے کہا کہ میں فاطمہ کو زندگی بھی بہن سے کیسے جدا کر دوں۔ اور فاطمہ کے شوہر علی خالو کو بلا کر دھمکایا گیا کہ تم کو بھی اس کی سزا دی جائے گی۔ ایک ماموں ہادی نے بھی تعلق رکھا۔ ماموں ہادی اور ان کے سب بھائیوں نے بہت محبت دی۔ یہ امّی کے چچازاد بھائی تھے۔ جبکہ امّی کے ایک ماموں اور خالاؤں نے بدترین طریق سے مخالفت کی۔ نانا کو امّی سے بے تعلق بارہ سال گزر گئے تھے۔ نہ کوئی ملاقات۔ نہ کوئی خط و کتابت۔ انہوں نے سیٹھ یونس سے رابطہ کیا اور کلکتہ آ گئے۔ مجھے یاد ہے کہ میں بھی ہادی ماموں کے ساتھ اسٹیشن پر انہیں لینے گئی تھی۔ باپ بیٹی کے ملنے کا منظر بھی مجھے یاد ہے۔ سب کا رو رو کر برا حال ہوا۔ نانا نے سیٹھ یونس سے مل کر پہلے سے بھی بڑھ کر بابا جان کی مخالفت شروع کر دی۔ ان کی تان یہاں آ کر ٹوٹی کہ نکاح ختم ہو گیا۔ فوراً طلاق دلوائی جائے۔ نان نفقہ کا ذمہ دار میں ہوں گا۔ بڑی بہن عائشہ آپا کے شوہر عظیم بھائی کے پاس بھی سیٹھ کے کارندے گئے کہ عائشہ کو طلاق دے دو۔ وہ قادیانی ہو گئی ہے۔ عظیم بھائی نے جواب دیا۔

"آپ کو کیا۔ وہ قادیانی ہو گئی ہے تو میں عیسائی ہو جاتا ہوں۔ بات ختم۔ آپ جائیں"۔ عظیم بھائی کو دین مذہب کا پتہ نہ تھا۔ صرف بابا کی مظلومیت کی وجہ سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ غرضیکہ طلاق پر طلاق کے مطالبے ہو رہے تھے۔ بابا کو حالات کا علم ہو رہا تھا۔ انہوں نے ایک خط امّی کو لکھا تاکہ تسلی رہے۔ اور نانا کو اپنے پاس لکھنؤ بلایا۔ بابا نے لکھا تھا:

لکھنؤ ۶؍ مئی ۳۷ء

رقیہ

تمہارا ۲؍ مئی کا خط کل پہنچا۔ تمہارے والد سے جو گفتگو ہوئی اس کے نتیجہ میں تم بہت پریشان ہو درست ہے۔ ان کے سامنے جو چیزیں پیش کی گئی ہیں اور جس طرح معاملہ کی صورت کو رکھا گیا ہے اس کا تو بیشک وہی نتیجہ ہے مگر تم کو معلوم ہے کہ میں بمبئی جانا چاہتا تھا اگر میں پہلے وہاں گیا ہوتا تو معاملہ کی صورت دوسری ہوتی۔ کیونکہ دیکھو پہلے یہاں آنے کا اور محمد سے گفتگو کرنے کا بھی بہت اچھا نتیجہ نکلا۔ محمد کی باتوں کو تم لوگ سمجھتے نہیں اور خواہ مخواہ پریشان ہوئے وہ تو ہماری طرفداری میں سب سے لڑنے مرنے کو بھی تیار تھا مگر میں نے منع کیا۔ محمد اور سارہ میں محبت بھی اچھی ہے۔ عظیم ہی کی طرح معاملہ ہے۔ اس کی طرف سے بالکل اطمینان رکھو۔ کوئی بات نہیں ہے ہاں اگر مجھ سے ملاقات نہ ہوتی اور کلکتہ گیا ہوتا تو معلوم نہیں کیا صورت ہوتی۔ بہرحال اب سب خیر ہے۔ چاچی کو پوری طرح اطمینان دلا دینا تمہارے والد کو بھی میں نے مصلحت سے بلایا ہے دو تین روز میں ان سے گفتگو کرونگا اور کوشش کروں گا کہ معاملہ کی بہترین اور آسان صورت پیدا کر دوں۔ حقیقی نتیجہ تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ میں نے اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ میرا وکیل ہے اور جو شخص اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے رکھتا ہے وہ اس کا کارساز ہوتا ہے اور وہی اس کا بہترین وکیل۔ لیکن ایسے آدمی کا امتحان بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ میرے امتحان کا دور ہے۔ دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس میں کامیاب کرے اور ثبات سے برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر تم لوگوں میں ہمت ہوتی اور میرے کہنے کے مطابق خاموشی سے بیٹھ کر تماشہ دیکھتے تو اتنے درجہ پر بھی معاملہ نہ جاتا مگر

برداشت نہ کرسکے اور میں نے تم لوگوں کی آسانی کی راہ نکال دی۔ اب تو تم کو خاموشی سے دیکھنا چاہیئے۔ آخر میں بھی انسان ہوں کچھ سوچتا ہوں اللہ مجھے کچھ سمجھا رہا ہے اس کے مطابق کوشش کرتا ہوں۔ تم لوگ اللہ پر بھروسہ رکھو اور دعا کرتے رہو۔ سب کچھ خیر ہوگا۔ لوگوں کی باتیں سن سن کر یہ فیصلہ کرلینا کہ ہاں بس ایسا ہی ہوگا بہت غلط ہے کیا خدا مر گیا ہے یا بزدل ہوگیا ہے یا اپنی خدائی اس نے اوپروں کے حوالے کردی ہے۔ یقین رکھو کہ آخر کار غالب خدا ہی رہے گا۔ اللہ کے خلاف انہوں نے جنگ کیا ہے اللہ خوب موقعہ دیتا ہے کہ جس کو جو کچھ کرنا ہے کرلے پھر وہ اپنا جلال دکھلائے گا۔ تم لوگوں کا کام ہے کہ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ سے دعائیں کرو اور ہیبت جو تم لوگوں کے دلوں میں گھس گئی ہے اس کو نکال ڈالو اور سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردو وہی بہترین کارساز ہے۔ تمہارے والد کا رنگ تمہارے خود کے لکھنے کے مطابق بھی بُرا نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان سے گفتگو کرنے کا بہت اچھا نتیجہ نکلے گا کیونکہ میں نے کچھ اسکیم سوچ رکھی ہے اگر اس کے مطابق انہوں نے عمل کیا تو معاملہ کی صورت بالکل بدل جائے گی۔ اگر خدانخواستہ وہ اسکیم جو ہر ایک کی بہتری کے لئے ہے ان کی سمجھ میں نہ آئی تو پھر اور دوسری صورتیں بھی ہیں جن پر عمل کیا جائے گا۔ بہرحال ان سے گفتگو کرنے کے نتیجہ میں کچھ نہ کچھ صورت نکل آئے گی۔ میرے دل میں پورا اطمینان ہے انشاء اللہ اللہ تعالےٰ بہتر صورت پیدا کردے گا۔ نہ طلاق ہوگی نہ خلع ہوگا نہ بچے چھوٹیں گے نہ کچھ ہوگا اور اگر میری اسکیم کامیاب نہ بھی ہو اور شاید مصلحتاً ایسا کرنا پڑے تو بھی تم نہ گھبراؤ۔ تم کو اور مجھے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جدا نہیں کرسکتا۔ یا پھر میرا وقت آجائے اور موت جدا کردے تو انشاء اللہ العزیز وہاں جلد ملیں گے۔ تمہارے دماغ میں صرف ایک بات ہے کہ میں تم لوگوں کی طرح اقرار کرلوں تو سب درست ہوجائے گا لیکن

یہ غلط ہے۔ میرا تعلق خدا سے ٹوٹنے کے بعد دنیا بھی ہاتھ سے جاتی رہے گی اس میں فائدہ کے بدلے نقصان دنیاوی بہت ہے جو میں خط میں سمجھا نہیں سکتا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا بھی گئی اور دین بھی

اب تم سے اخیر میں میں یہ کہتا ہوں کہ تم لوگ گھبراہٹ پریشانی اور ہیبت دل سے نکال ڈالو اور پورے اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے دعا کرو۔ وہ بہتر صورت پیدا کر دے گا۔ اس پر بھروسہ رکھو۔

عبدالستار

امی ابھی جوان تھیں۔ گھر میں بوڑھی دادی، نو عمر بچیاں اور ایک لڑکا تھا۔ شدید ترین مخالف کے مکان میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہ رہے تھے۔ بابا جان کے لکھنے پر چھوٹا سا مکان تلاش کرنے نکلیں۔ میمن قوم میں عورتیں زیادہ باہر نہیں نکلتیں۔ پردہ بھی سخت تھا۔ ہوا یہ کہ جہاں بھی امی مکان کی تلاش میں پہنچتیں سیٹھ کے کارندے منع کر دیتے کہ یہ قادیانی ہے اس کو مکان نہیں دینا۔ دوسری حرکت یہ کہ اپنا مکان خالی کرنے کے نوٹس پر نوٹس دینے لگے۔ شیشہ گلی میں ایک مکان دیکھا۔ انہوں نے قادیانی ہونے پر تو اعتراض نہ کیا ان کو تردّد تھا تو یہ کہ بابا کو ہارٹ کی بیماری ہے کرایہ کون دے گا۔ مایوس ہو کر واپس آنے والے تھے کہ مالک مکان کی والدہ نے بٹھا کر کچھ تواضع کی۔ باتیں چل نکلیں تو بہت سی قربتیں اور جاننے والوں کے آپس میں مراسم نکلے۔ ہمارے اٹھنے تک وہ ہمیں مکان دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ساتھ رہے تو خلوص بڑھتا رہا۔ اور ہر آنے والا دن پہلے سے بہتر ہوتا گیا۔ وہاں منتقل ہو کر محسوس ہوا جیسے آزادی میں سانس لیا ہے۔ کوئی محل سے جھونپڑے پر آ کر خوش نہیں ہوتا مگر ہم کو یہ جگہ بہت اچھی لگی۔ بابا کے سفر کی اگلی منزل قادیان

تھی۔ قادیان سے مرسلہ خطوط اس زمانے کی ساری کیفیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔

از قادیان مورخہ ۲۰ مئی ۳۷ء

رقیہ

مَیں لکھنؤ سے اتوار کے روز چلا۔ راستہ میں سہارنپور ایک روز ٹھہر کے کل دوپہر کو الحمدللہ دارالامان میں پہنچ گیا ہوں۔ فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمنا پوری کر دی مگر یہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت صاحب سندھ تشریف لے گئے ہیں۔ ہفتہ عشرہ میں واپس آئیں گے۔ یہاں پہنچ کر اب بغیر زیارت کئے ہوئے اور دعا کرائے ہوئے واپس نہیں جا سکتا۔ لہٰذا ان کے آنے تک ٹھہرنا ضروری ہے اور ٹھہروں گا۔ میں یہاں اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں اور وہ اپنے مہمان کی پوری خبرگیری کرتا ہے۔ تم فکر نہ کرنا۔ میں کلکتہ کی بہ نسبت بہت اچھی طرح ہوں۔ میری ضرورت کا سارا سامان ہر جگہ اللہ تعالیٰ خود ہی کرتا ہے وہ اس ناچیز پر بہت مہربان ہے۔ ان کے آنے کے بعد کہاں جاؤں گا اور کیا ہوگا یہ صرف اللہ ہی کو معلوم ہے ابھی کوئی پروگرام نہیں ہے مگر اللہ پر بھروسہ ہے کہ جو ہوگا اچھا ہوگا۔

ابھی ابھی تمہارے دو خط تاریخ پندرہ اور سترہ کے لکھنؤ سے سارہ نے بھیج دیئے ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے تمہارے والد اگر چاہتے تو کوئی درمیانی راستہ نکل سکتا تھا خیر اللہ ہدایت دے اس میں شک نہیں کہ سب ایک طرف ہیں اور ظلم و ستم میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں گے مگر تم کو معلوم ہے کہ اللہ دوسری طرف ہے اور وہ ان کے ہر مجمع میں موجود ہے اور یہ اپنا داؤ کر رہے ہیں اور وہ اپنا داؤ کر رہا ہے۔

میری زندگی اور موت کا سوال بالکل علیحدہ ہے مگر غالب ہر حال میں اللہ ہی رہیگا۔ سو ہونے دو سارے زمانہ کو ادھر ہونے دو۔ صبر اور ہر حال میں صبر رکھو اسی پر بھروسہ رکھو۔ وہ بڑا کارساز ہے اور ابھی ان لوگوں سے میل رکھو۔ ان سے بگاڑ نہ کرو۔ جیسے وہ لوگ کہیں ویسا کرو مگر اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکاؤ راتوں کو گڑگڑاؤ اور صبر طلب کرو۔ یہ ابتلا ہے۔ آزمائش ہے۔ کسوٹی ہے اس سے چھوٹ نہیں سکتے۔ میں نے اپنے آپ کو بالکل اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا ہے جو اس کو منظور ہوگا اور جو کچھ وہ مجھ سے کرائے گا کروں گا۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ نکاح باطل ہو گیا ہے۔ جھک مارتے ہیں جھک مارنے دو۔ تم کہتی ہو کہ ہمیشہ کیلئے جدا ہو گئے۔ بے شک اگر میں مر گیا تو ہونا ہی ہے۔ اگر خدا نے زندہ رکھا تو وہ صورت بھی پیدا کرے گا جو تم لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا۔ صبر اور بھروسہ رکھو اور دعا کرتے رہو اور اپنی طبیعت میں اطمینان پیدا کرو۔ صحت کو خراب نہ کرو کیونکہ بچوں کے لئے ابھی تم کو زندہ رہنا ضروری ہے۔ پندرہ روز کا ٹائم لیا ہے اور جواب تیار کر رہا ہوں اور جواب کے ساتھ اتمامِ حجت بھی ہوگا۔ پھر اللہ کو جو منظور ہوگا وہ ہوگا۔ اس پر شاکر رہنا اور غیب سے اس کی مدد کا انتظار کرتے رہنا

بچوں کو سب کو دعا سلام اور پیار۔ تم خود صبر کرو اور بچوں کو صبر کی تلقین کرو اور اللہ سے توبہ استغفار کرتے رہو اور اس مصیبتِ عظمیٰ پر صبر کرو اور صبر کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ دنیا چند روزہ ہے۔

گناہ گار

عبدالستار

از قادیان مورخہ ۲۳ رمئی ۳۷ء

رقیہ ۔ تمہارا ۱۸ مئی کا خط پہونچا۔کیفیت معلوم ہوئی۔حضرت صاحب ۲۶ رمئی کو رات کو تشریف لائیں گے ۔ملاقات اور مشورہ کے بعد مَیں اپنا فیصلہ لکھوں گا۔یا پھر جو اللہ تعالیٰ سمجھائے گا کروں گا اور جو کچھ اللہ تعالےٰ کو منظور ہوگا ہوگا۔اس پر بھروسہ رکھو۔جو کچھ ہوگا بہتر ہوگا وہ اس طرح اجر کو ضائع نہیں کرتا۔مجھ پر ابتلاء اور امتحان ہے۔دعا کرو اللہ تعالیٰ استقامت عطا کرے۔دنیا چند روزہ ہے اس کی تکالیف اور مشکلات کے لئے صبر اور استقامت کی ضرورت ہے۔بظاہر سب کچھ مشکل اور مشکل ہی نظر آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے آگے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

رقیہ۔میں نے جو کچھ دیکھا جو کچھ سمجھا، جو کچھ جانا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بتایا اس میں جو ایک کسر تھی وہ یہاں پہنچا کر دکھایا اس کے تعلق میں تو اللہ تعالیٰ کا صرف شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ اس عاجز سیاہ کار بندہ پر کیسا مہربان ہے، اور میری تمناؤں کو کس کس طرح پوری کررہا ہے۔افسوس کہ میں اس کا بیان نہیں کرسکتا تو پھر آگے بھی وہی بہتر کرنے والا ہے۔ضرورت ان مشکلات پر صبر اور استقامت کی ہے۔خدا تم لوگوں کو صبر اور ہمت عطا کرے۔ظاہر حالات کو نہ دیکھو۔اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلو اور خاموشی سے تماشا دیکھو تو بہتر ہے۔صرف اس پر نظر رکھو اور اس کی مدد کا انتظار۔حاجی صاحب وغیرہ کی باتوں پر خیال نہ کرو۔یہ سب میری دنیا سے کیا واقف ہیں؟ خموشی سے ہر بات کو سنو اور اللہ کے کام پر نظر رکھو۔

تم کو میری صحت کی بہت فکر ہے اس کو چھوڑ دو۔میں اللہ تعالیٰ کا مہمان

ہوں وہ میرے سب کام انجام دے رہا ہے۔ میری صحت بہت بہتر ہے آب و ہوا اچھی ہے۔ ان باتوں سے بے پرواہ ہو کر اللہ سے دعا کرو۔ صرف رسمی دعاؤں سے کام نہیں چلتا۔ راتوں کو اٹھو۔ دعا کرو اور خرافات اور فکروں اور پریشانیوں کو چھوڑ دو۔ میرا آخری فیصلہ بھی جس قسم کا بھی ہو اس کو پورے سکون اور اطمینان سے دیکھنا اور اللہ پر بھروسہ رکھنا جس طرح میں نے تم سب کو اس کے حوالے کیا ہے تم بھی مجھے اس کے حوالے کر دو وہ بڑا کارساز ہے اور جو حالات سامنے پیش آویں اس وقت جو مناسب معلوم ہو کرنا۔ بلکہ خلع کے واسطے انکار کرنا اور جواب دینا کہ ہم دو میں سے ایک کی موت کا انتظار کرو۔ تمہارے والد وعدہ کر گئے ہیں کہ خلع پر مجبور نہیں کریں گے۔

۱۲ رمئی کا تصادم والا واقعہ میں لکھ نہیں سکتا مگر لکھنؤ میں سارہ کو معلوم ہے وہ کیا تھا اور کس طرح تھا۔ وہ آئے گی تو اس سے معلوم کرنا۔ میں اچھا ہوں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے تم سب کے لئے مَیں دعا کرتا ہوں۔ مَیں اکیلا نہیں یہاں بہت بڑے بڑے دعا کرنے والے دعا کرتے ہیں وہ ضائع نہیں ہو گی اطمینان رکھو۔ بچوں کو دعا سلام اور پیار اور ان کا پیدا کرنے والا محافظ ان کو پیار کرتا ہے اور کرے گا اور حفاظت کرے گا۔

عبدالستار

بابا نے ۲۶ مئی کو ڈائری میں اپنا ایک خواب لکھا ہے۔

"مردہ کو نہلانے کا تختہ لایا گیا ہے۔ پھر گرم پانی مردہ کو نہلانے کو دو آدمی لائے۔ مَیں نے پوچھا کس کو نہلایا جائے گا، کہا 'تم کو'، میں نے حیرت سے پوچھا۔ مجھے۔ کہا۔ ہاں تم کو"

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

۲۹ مئی کی ڈائری میں تحریر ہے۔
وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

اے خدا اے چارہ سازِ ہر دل اندوہ گیں
اے پناہ عاجزاں آمرزگارِ مذنبیں
از کرم ایں بندۂ خود را بہ بخششہا نواز
واں جدا افتادگاں را از ترحمہا بہ بیں

ہر آں کارے کہ گردد از دعائے محو جانانے
نہ شمشیرے کند آں کار نے بادے نہ بارانے
عجب دارد اثر دستے کہ دست عاشقش باشد
بگرداند جہانے راز بہر کارے گریانے
اگر جنبد لبِ مردے ز بہرِ آں ستمگرداں
خدا از آسماں پیدا کند ہر نوع سامانے

دستی بیعت بر دست خلیفۃ المسیح الثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب
بمقام قادیان المورخہ ۱۴ ربیع الاول ۱۳۵۶ ہجری مطابق ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء
بروز جمعہ بعد العصر
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ
مرید پیر مغانم ز من مرنج اے شیخ
چرا کہ وعدہ تو کردی و او بجا آورد

از قادیان المورخہ ۳۰ مئی ۳۷ء

(بقیہ)

حضرت صاحب آتو گئے ہیں۔ سرسری گفتگو بھی ہوئی مگر فرصت بہت کم ہونے کی وجہ سے ابھی مفصل گفتگو اور مشورہ کا وقت نہیں ملا ہے۔ انشاء اللہ دو ایک روز میں ہو جائے گی اس کے بعد ہی کچھ فیصلہ ہو سکے گا اور اسی وجہ سے مَیں کچھ جواب تمہارے والد کو بھی نہیں لکھ سکا اور جب تک حضرت صاحب سے مشورہ نہ کر لوں لکھنا نہیں چاہتا۔ ۳۱ مئی کو تو جواب ان کو پہنچ نہیں سکتا شاید پانچ جون تک پہنچے۔ بہرحال جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ہوگا اور انشاء اللہ بہتر ہوگا۔ مَیں اس کے دروازہ پر پڑا ہوا ہوں۔ تم بے فکری اور اطمینان سے بیٹھ کر دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اَور بھی امتحان منظور ہے تو وہ بھی ہو۔ مَیں بہرحال راضی برضا ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت صاحب سے گفتگو ہونے کے بعد مجھے کچھ اَور دن یہاں رہنے کا حکم ہو تو ٹھہر جاؤں گا۔ بہت بابرکت جگہ ہے۔ آب و ہوا بھی بہت اچھی ہے اور مجھے موافق ہے اور میری صحت یہاں بہت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوں وہ مفت میں مجھے کھانا بھی کھلا دیتا ہے اور میری سب ضرورتیں بھی مہیا کر دیتا ہے۔ تم بے فکر رہو مَیں بھی تم لوگوں کی کچھ زیادہ فکر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری فکر کرتا ہے وہ کرے گا۔ ... اگر کچھ دن قیام کا حکم ہوگا تو پھر ڈائرکٹ لکھنا۔

C/o Post Maste Qadian Dist Gordas hur Punjab.

بچوں کو پیار کرنا۔ دعائیں خوب کرتے رہنا۔ پچھلی رات کی دعائیں خصوصاً۔
عبدالستار

شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ احمدی بھائیوں سے آڑے وقت میں مدد کیوں نہ لی۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں مفلسی میں بھی سہارا دیئے رکھا۔ ہماری خودداری اور عزّتِ نفس قائم رکھی اور ہم صرف اپنے مولا کریم کے سہارے حالات سے لڑتے رہے۔ ان حالات میں بھی امّی چندے کے کچھ پیسے میرے ہاتھ ان احمدیوں تک بھجوادیتیں جن کی دوکانوں پر جاکر میں کتابیں اور 'الفضل' لاتی تھی۔

جون ۱۹۳۷ء میں بابا نے اپنے خُسر کو ان کی تمام تر زیادتیوں کے باوجود بڑے احترام سے خط لکھا تاکہ بیوی کو طلاق دینے والا مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی یونس عثمان سیٹھ صاحب کو بھی ایک طویل مکتوب لکھا۔ یہ مکتوب بابا کے اللہ پر توکّل اور معاملہ فہمی پر دلالت کرتا ہے۔

۳۰۔ جون ۳۷ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ میرے محترم بزرگ

اپنے وعدے کے مطابق مجھے اپنا آخری فیصلہ دینے کا وقت آگیا وہ مَیں نے لکھ دیا ہے۔ میں اپنے اوپر ایک ذمہ داری محسوس کر رہا ہوں کہ فیصلہ کے بعد مَیں اتمامِ حجت بھی کر لوں اور پھر آپ لوگوں کا اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دوں کہ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور یہ اتمامِ حجت صرف آپ کے لئے نہیں بلکہ میرے محسن اور مربّی یونس بھائی کے لئے بھی ہے جو ساری قوم کے پریسیڈنٹ اور اس وقت سوشل بائیکاٹ کے لیڈر ہیں، لہٰذا ان کو بھی پڑھا دیجئے۔ اور

پھر ان کو جو مناسب معلوم ہو پھر کریں۔ چونکہ یہ فیصلہ پورے خاندان پر اثر انداز ہے اور ساری قوم کی عاقبت کا معاملہ ہے اس لئے اس کو سرسری طور سے پڑھ کر ٹال دینا آپ کو اللہ تعالیٰ کے آگے ملزم ٹھہرائے گا اس لئے اس پر پوری طرح غور و فکر کرنے کے بعد جو مناسب معلوم ہو کریں۔

آپ نے مجھ سے لکھنؤ میں فرمایا تھا کہ ہم لوگ مجبور ہیں۔ علماء حنفی سنت الجماعت کے فیصلہ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اس کے متعلق مجھے عرض کرنا ہے کہ اگر یہی معیار حق و باطل کا ہے تو اس قدر فرقہ اسلام میں ہیں وہ سب کے سب اپنے علماء کے پیرو ہیں اور سب ہی اپنے آپ کو حق پر اور دوسرے کو باطل قرار دیتے ہیں تو پھر کیا اپنے اپنے علماء کی پیروی کا نام حق ہے؟ اگر یہی درست ہے تو پھر سب حق پر ہیں تو پھر یہ سرپھٹول کیوں ہے؟ اگر کہا جائے کہ ہم لوگوں کو یہی کرنا چاہیئے کہ جہاں پیدا ہوئے وہیں رہیں تو پھر حق و باطل کا کوئی معیار نہیں رہتا۔ یہودی عیسائی ہندو سب ہی اپنے علماء کی پیروی کرتے ہیں پھر یہ سب جہنم میں کیوں جائیں گے اور پھر رسالت نبوت وغیرہ یہ سب ایک بیکار چیز ہو جائے گی۔

معیار ہے اور ضرور ہے اور ہمارے لئے تو سب سے بہتر ایک ہی معیار ہے کہ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ[1] کہ اگر تم میں کوئی تنازعہ ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو (نہ کہ علماء کی طرف) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ملزم کرتا ہوا کہتا ہے کہ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ[2]

---

[1] (النساء ۶۰) [2] (توبہ: ۳۱)

کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں مددگار پکڑ رکھا ہے۔ ان پر غضب نازل کرنے کے وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بتائی ہے اور پھر ہم کو کہتا ہے لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِاُولِی الْاَلْبَابِ۔ بنی اسرائیل کے وہ علماء ہی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے خلاف کفر اور الحاد کے فتوے لکھے اور ان کو صلیب پر مار ڈالنے کی کوشش کی اور انہی کے فتاویٰ نے بنی اسرائیل کو حق سے روکا اور پھر انہی یہود اور نصاریٰ کے علماء کے فتاویٰ پر چلنے والے رسولِ اکرم روحی فداہ پر ایمان لانے سے محروم رہ گئے اور یہی حضرات ہیں جنہوں نے اسلام کے بڑے بڑے بزرگانِ دین کو تکلیفیں دیں اور خوب خوب فتوے لکھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آپ سن چکے اب رسولِ اکرم کا فرمان ان کے متعلق سنئے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جب اسلام میں کچھ باقی نہ رہے گا سوائے رسم کے، مسجدیں آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت سے کوری۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے اور انہی سے فتنے اٹھیں گے اور انہیں میں واپس لوٹیں گے۔ اور سنیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ البتہ ضرور آئے گا میری امت پر زمانہ جس طرح بنی اسرائیل پر آیا اور ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ہوگا جو ایسا کریگا اور بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقے ہوں گے اور میری امت کے تہتر فرقہ

ہوں گے۔ جن میں سے سوائے ایک کے باقی سب جہنمی ہوں گے۔
پوچھا گیا کہ جنتی کی کیا علامت ہونگے۔ آپ نے فرمایا مَا اَنَا عَلَیْہِ
وَ اَصْحَابِی یعنی جو میرے اور میرے اصحاب کے راستہ پر ہوگا۔ ہر
فرقہ کے علماء کہتے ہیں ہم ہی جنتی ہیں باقی سب جہنمی۔ تو اب ہر شخص
جس میں استطاعت اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا
ہو وہ تحقیق کرے اور جس کو اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر ہونے کا یقین
ہو اس کا فرض ہے کہ وہ تلاش کرے کہ کیا صحیح ہے۔ لوگ کہتے ہیں
کہ ہم کو اتنا علم نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کیسے تلاش کریں۔ یہ بالکل
غلط سمجھا گیا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ آپ کو جتنا علم اور جتنی عقل دی
گئی ہے وہ کافی ہے اور زیادہ ہے یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے کہ وہ علم
اور عقل تو نہیں دیتا پھر جہنم میں بھی ڈال دیتا ہے۔ البتہ وہ ان علماء کا
مذہب ہے جو بہت پیچیدہ ہے اور جس کے چکر سے کوئی شخص قیامت تک
نکل نہیں سکتا اور اس کا سارا دارو مدار اقوال الرجال پر ہے۔ اسلام
اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور بہت صاف سیدھا ہے اور اس میں کوئی
کجی نہیں۔ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان جھوٹا نہیں۔
کیا دنیوی معاملات میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو اپنی نظر سے دیکھنے اور
جانچنے پر اصرار نہیں کرتے۔ کیا اپنے کاروباری معاملات میں بڑی سے
بڑی پیچیدگیاں نہیں سلجھاتے۔ بڑی سے بڑی مشکلات حل نہیں کرتے
پھر کیا آپ کا نفس گواہی دیتا ہے کہ آپ کا یہ جواب اللہ تعالیٰ کے
آگے اس کے روبرو چل جائے گا کہ ہم میں علم اور استطاعت نہیں
تھی۔ سنیئے آپ کے اس جواب کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے سے

قرآن کریم میں دے رکھا ہے یوں کہ تم سمجھتے ضرور تھے بلکہ سرکش اور باغی تھے اور ہم سے ملنے کی تمہیں امید نہیں تھی۔"

اے کاش کہ اس کا کلام جزدانوں سے نکل کر سینوں میں داخل ہو جاتا۔ اور علماء کی باتوں پر نہ چلتے۔ بیشک یہ وہی لوگ ہیں جن کو بنی اسرائیل کی طرح تکالیف دی گئیں۔ کسی کو گالی دی گئی کسی کو قتل کیا گیا۔ کسی کو قید کیا گیا۔ کسی کی مشکیں کسی گئیں۔ کسی پر کفر کے فتوے لکھے گئے۔ اور اس طرح انبیاءِ بنی اسرائیل کی پوری مشابہت ہوئی کہ یہ خود ساختہ حشرات الارض ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے صریح حکم وَلَا تکونوا من المشرکین ○ من الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعاً کل حزب بما لدیہم فرحون (روم ۳۲:۳۲:۳۳)

کے ٹھیک ضد میں دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اب صرف کفر کے فتوے اور لوگوں کی بیویوں پر طلاق لئے پھرتے ہیں کیا یہی لوگ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ ہیں؟ فتدبروا یا اُولی الابصار۔

آپ نے فرمایا تھا کہ قرآن مجمل ہے اور حدیثیں اس کی تفصیل ہیں بیشک یہی کچھ سمجھا کر قرآنِ کریم کو جزدانوں میں بند کرایا گیا مگر ان دو میں سے کون سچا ہے؟ اللہ ربّ العالمین یا علماء بیہودصفت؟ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا (الانعام: ۱۱۵)

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُہٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○

(حٰمٓ السجدۃ: ۴)

بتائیے کس کو جھوٹا کہے گا؟ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ

مبین ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۔ اوپر یہ تفصیل اور بیان کس کے لئے ہے کیا علماء کے لئے؟

کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی اور مطالب بہت پیچیدہ ہیں بغیر حدیث کے تفسیر اقوال الرجال کے سمجھ نہیں سکتے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قمر، ۳۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (الکہف ۲،) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (الزمر:۲۹) ہم کس کی بات مانیں اللہ واحد القہار کی یا ان علماء کی؟ وہ کس کی پیروی کا حکم دیتا ہے۔ سنیئے وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الانعام: ۱۵۴) کیا یہ پیشگوئی پوری ہوگئی یا نہیں۔ اس کو چھوڑ کر تفریق ہوگئی یا نہیں؟

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (البقرہ: ۱۲۲) تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ:۷) اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (الانعام: ۱۱۵) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (ق: ۳۸) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا فَالَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (النساء: ۱۷۵، ۱۷۶) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص: ۳۰)

اس کے خلاف بزعم خود ایک بہت بڑی دلیل پیش کردی جاتی ہے کہ بتاؤ قرآن میں پانچ وقت کی نماز کی تفصیل کہاں ہے۔ تفصیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ تفصیل کہتا ہے اور یہ جسے تفصیل کہتے ہیں۔ یہ جو سوال کرتے ہیں اس کا تعلق لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۲) سے ہے جو تواتر اور سنت سے ثابت ہے۔ یہ سوال اصل دھوکہ دینے کو کیا جاتا ہے۔ حدیثیں شارح ہیں نہ کہ تفصیل اور اطیعوالرسول کے ماتحت صحیح حدیث جہاں بھی ملے قابلِ عمل ہے مگر یہ یاد رہے کہ حدیثوں کا بیان کرنے والا خود فرما گیا ہے میری کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی اور اگر کوئی ایسی ہو تو وہ ردّ اور باطل ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ حدیثیں ڈیڑھ سو برس بعد جمع کی گئی ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ لاکھوں جھوٹی حدیثیں وضع کی گئی تھیں جن میں سے بہت کچھ انسانی کوششوں نے چھان کر کے چھانٹی ہیں مگر پھر بھی وہ قرآن پاک پر حکم نہیں ہو سکتیں جس کی حفاظت کا وعدہ قیامت تک کے لئے کیا گیا ہے۔ مگر حدیثوں کی حفاظت کا وعدہ نہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے نہ رسول نے۔ ہاں البتہ چند جھوٹی سچی حدیثوں پر یہ سر پھٹول اور فرقہ بندی ہے جس سے منع کیا گیا تھا۔

غضب خدا اللہ اور اس کا رسول تو یہ کہے کہ قرآن کو پڑھو اس کو

سمجھو۔ اس پر تدبر کرو۔ اسے ہر وقت پڑھو، صبح پڑھو، شام پڑھو ہر نماز میں لازم کر دیا ہے کہ ایک حصہ ضرور پڑھو۔ یہی تم کو تفرقہ اور گمراہی سے بچائے گی اس کو پکڑے رہو تو صراط مستقیم پاؤ گے ہدایت اور اس کی رحمت اور فضل پاؤ گے اور اس کے خلاف علماء فرمائیں گے کہ ہرگز نہیں اسے اٹھا کر رکھ دو۔ پڑھو نہیں سمجھو نہیں دیکھو نہیں بغیر حدیث اور تفسیر اقوال الرجال کے پڑھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور ایسے ہی نام نہاد علماء کے لئے اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (البقرہ: ۱۶۰)

کاش ایک ہی مرتبہ آپ اس کو جانچنے کے واسطے قرآن پڑھتے اور اس پر تدبر کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ آپ سمجھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اللہ کا بیان سچا ہے یا ان علماء کا۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ مخاطب کون ہیں۔ ہم آپ یا علماء۔ قرآن پاک میں یٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ اور یٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ یٰٓاَيُّهَا النَّاسُ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ ہے یا پھر یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمنوا ہے۔ کہیں ایک جگہ بھی یٰٓاَيُّهَا الْعُلَمَاءُ نہیں ہے تو پھر کیا اس باجبروت دربار میں یہ جواب بن پڑے گا کہ ہم علماء کی پیروی کرتے ہیں جس کے لئے اس نے منع کیا تھا؟ کیا ہم اس طرح چھوٹ جائیں گے؟ کیا وہ خدا یہ نہیں پوچھے گا کہ ہم نے تم کو کیا حکم دیا تھا؟

اگر اس پر بھی سمجھ نہ آئے اور آپ ان کی پیروی میں ہی نجات سمجھتے ہیں تو اچھی بات ہے پھر اس پر دوسروں کو بھی مجبور کرنا اور

امامِ وقت کی حیثیت اختیار کرنا کس حد تک حق بجانب ہیں اس کو بھی سوچ لیجئے اور پھر وہ جس بات کی پیروی کرتے ہیں اور آپ پیروی کرتے ہیں اس پر بھی غور کر لیجئے۔ کیا عقلِ سلیم بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی ایسا خدا ہے جو اس کے ایک عاجز بندے کو ستانے اور تنگ کرنے سے خوش ہوتا ہے جو کچھ آپ لوگوں نے کیا۔

(۱) ایک ایسا شخص جو موت کے بستر پر زندگی کے دن گن رہا ہو اس کو تنگ کیا جائے کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو اور بیکسی و غریب الوطنی کی موت ہو

(۲) اس کو اس کی رفیقہٴ حیات کی رفاقت سے ایسے حال میں محروم کیا جائے جب ساری زندگی کے نچوڑ کا وقت ہو۔

(۳) اس کو اس کے چھوٹے بچوں سے علیحدہ کر دیا جائے اور ان کی سرپرستی سے محروم کر دیا جائے

(۴) اس کی بیوی پر طلاق کے فتوے لگائے جائیں اور ان کو جبراً علیحدہ کر دیا جائے

(۵) اس کی بیوی اور بچوں کو آئندہ پوری زندگی کے لئے روتا کلپتا چھوڑ دیا جائے اور زندگی ہی میں مردہ تصوّر کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور یہ سب کیا آپ اس کو خوش کرنے کے لئے کرتے ہیں؟ اور یہ سب کس گناہ کی سزا میں۔ اس کی کہ مَیں کہتا ہوں اللہ ایک ہے اور نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیّین ہیں۔ قرآن خدائے پاک کا کلام ہے۔ سنت قابلِ عمل اور صحیح حدیثیں قابلِ اطاعت ہیں

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ

وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدِ الْمَوْتِ میں سے ہر ہر لفظ پر ایمان ہے۔ حسب قوت عمل بھی ہے۔ اہلِ سنت جماعت کے لحاظ سے بھی زیادہ کسی کو پوچھنے کا کسی کو بھی حق نہیں۔ اور نہ مَیں نے کفر کیا ہے نہ ارتداد کیا ہے۔ مَیں نے امر بالمعروف کی بیعت کی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی کچھ وقعت ہے سنیئے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء ۹۵) رسول اکرم نے مومنوں کی تعریف کی ہے کہ جو میری طرح قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے وہ مسلم ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ مُسْلِمٌ اور پھر حدیث میں ہے کہ جس کو تم کافر کہو وہ اللہ کی نظر میں کافر نہ ہو تو کفر کہنے والے پر لوٹے گا یعنے کہنے والا تو یقیناً کافر ہو جائے گا لیکن مومن کو ایذا دینے والے کے لئے۔ اللہ واحد القہار کا فرمان سن لیجئے وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۔ (الاحزاب: ۵۹)

پھر اس پر بھی غور فرما لیجئے۔ یہ حرکات سوشل بائیکاٹ وغیرہ کے اور اس طرح تنگ کرنے کے۔ کیا مخالفین نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا تھا اور بنو ہاشم کے مخالفین نے کیا تھا یا مومنین کے مخالفین نے کیا تھا۔ یقین جانئے کہ یہ زندگی بہت جلد ختم ہونے والی ہے اور ہم سب کو ایک بڑی باجبروت عدالت میں پیش ہونا ہے جہاں یقیناً کوئی فتوے۔ کوئی دنیوی مصلحت۔ صرف زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ دینا کام نہیں آئیگا۔ بلکہ ستائے ہوئے مظلومین
کا ہر ہر آنسو جو گرے گا وہ ایک ایک دریا ہوگا جسے عبور کرنا ہوگا۔ لہٰذا
خوب اچھی طرح اپنے نفس کا محاسبہ کرلیں کہ جو کچھ آپ نے کیا اور کر رہے
ہیں اس کا آپ کو کہاں تک حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو کب
اور کہاں تک یہ منصب عطا کیا ہے اور یہ بھی کہ کیا اس میں میری مجبوری
اور کمزوری اور پریشان حالی کا بھی کچھ حصہ ہے یا صرف اللہ کو خوش
کرنے کے لئے ہی کر رہے ہیں۔ کاش کہ یہ معاملہ آپ نے ان علماء
کے لئے چھوڑ دیا ہوتا اور ان کو فتوے اور قتلِ مرتد کا ثواب لینے دیتے
میرے خون سے اپنا ہاتھ نہ رنگتے اور اتنی بڑی خوفناک ذمہ داری اپنے
سر نہ لیتے۔ میں نے لکھنؤ میں یہ عرض کیا تھا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں
جس کا جی چاہے مجھ سے تعلق رکھے جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے مگر اس
کو آپ نے قبول نہ کیا تھا تو پھر اس کو میں صریح ظلم کے سوا کسی چیز سے تعبیر
نہیں کر سکتا اور اپنا اور ان لوگوں کا معاملہ اس حاکم حقیقی کے حوالے
کرتا ہوں وَھُوَ خَیْرُ الفاصلین۔

رہا یہ معاملہ جس کا جواب دینا ہے اس کے متعلق دوبارہ عرض ہے
کہ میں اپنے عقیدہ پر الحمد للہ قائم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ
مجھے استقامت عطا فرمائے اور اسی پر موت دے قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا
عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَہٗ
عَاقِبَۃُ الدَّارِ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (الانعام: ۱۳۶) اور
اس پر عمل کیا ہے وَمَنْ یُّھَاجِرْ فی سبیل اللہ اور میں اپنی بیوی
اور بچوں کو ان کے پیدا کرنے والے کے حوالے کرتا ہوں وہی ان کا کارساز ہے۔

اے خدا اے چارہ سازِ ہر دلِ اندوہگیں ۔ اے پناہِ عاجزاں آمرزگارِ مُذنبیں
از کرم ایں بندۂ خود را بہ بخشش ہانواز ۔ وِیں جدا افتادگاں را از ترحمہا بیں

دوسری بات ذکیہ کی شادی کی اجازت ہے جس کے متعلق عرض ہے موجودہ حالت میں ہیجان و اضطراب بہت زیادہ ہے اور جدائی کے صدمات بہت زیادہ ہیں۔ ایسی حالت میں جلدی مناسب نہیں ہے۔ جب طبیعتوں میں سکون پیدا ہو گا دیکھا جائے گا۔ رقیہ کو اختیار ہے کہ جب مناسب معلوم ہو کر دے۔ اصل اختیار اور مرضی تو خود عاقل و بالغ لڑکی پر ہے۔

آپ نے لکھنؤ میں فرمایا کہ تمہاری ذات سے کسی کو دشمنی نہیں ہے بلکہ اس چیز کو صرف روکنا ہے۔ مجھے تسلیم ہے۔ مَیں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میری ذات سے دشمنی نہیں ہے مگر جس چیز کو روکنے کی ساٹھ برس سے ساری دنیا کوشش کر چکی ہے اور کامیاب نہیں ہوئی وہ بڑھ رہی ہے اور ساری دنیا کے ہر ہر گوشہ میں پھیل رہی ہے اس میں آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور کسی چیز کو روکنے کی اور جس کے بھلے بُرے کے متعلق آپ خود نہیں جانتے اور گفتگو کرنا چاہتے ہیں نہ کچھ سننا چاہتے ہیں صرف علماء کے فتوے پر دارو مدار ہے۔ خیر اچھی بات ہے آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ مگر کم از کم خدا کے لئے یہ تو سوچ لیجئے کہ کہیں غلط فہمی کی وجہ سے آپ اللہ کے راستہ سے تو نہیں روک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ تو نہیں کر رہے ہیں جس میں کامیابی تو ہرگز نہیں ہو گی اور بڑے سخت مواخذہ کا باعث ہو گا۔ یاد رہے کہ مخالفت دوسری چیز ہے اور یہ بہت ہی خطرناک منزل ہے۔

علماء نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے لگائے اور ان کی پیروی سے اور بیعت سے مَیں کافر ہو گیا۔ مگر اے اللہ کے بندو! کبھی یہ بھی اپنے علماء سے

پوچھا کہ معاذ اللہ وہ کافر ہم سے کہتا کیا ہے۔ یہی نا کہ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: ۲۷) اور تمام انبیاء کی سنت کے مطابق فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ۔ یہی آواز ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیرہ سو برس بعد حضرت مسیح ناصریؑ نے اٹھائی تھی۔ پھر یہی آواز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سو برس بعد ان کے ایک غلام غلامِ احمد نے اٹھائی اور اسی طرح اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاھِدًا کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رسولاً (المزمل: ۱۶) کی پوری مشابہت ہوگئی۔ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور اگر میں نے کچھ گناہ کیا ہے تو سب سے بڑا گناہ گار اس معاملہ میں وہ ہے جس کی حدیث دار قطنی میں ہے کہ اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ لَمْ تَکُوْنَا منذ خلقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَنْکَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَیْلَۃٍ مِّنْ رَّمَضَانَ وَتَنْکَسِفُ الشَّمْسُ فِی النِّصْفِ مِنْہُ جو ۱۸۹۴ء میں پورا ہوا۔ پھر صرف اتنا ہی نہیں۔ ہمارے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آئے تو اسے میرا اسلام پہنچانا۔ سبحان اللہ۔

قادیانی قرآن کا ترجمہ تو غلط کرتے ہیں مگر کیا آسمان پر چڑھ کر چاند اور سورج کو گرہن بھی لگا سکتے ہیں ......

اے کاش آپ اپنا وقت خلع، طلاق اور تجدیدِ نکاح وغیرہ میں ضائع کرنے کے بدلے نیک نیتی سے وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا پر عمل کر کے اجر عظیم کے مستحق ہوتے۔ مجھے خود کو باوجود ان تکالیف کے کسی سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے امتحان

میں ڈالا ہے میں اس پر صابر ہوں اور اسی سے اجر کا طالب۔ میری زندگی اور موت کا بھی کوئی سوال نہیں ہے جہاں مقدر ہوگی، ہوگی مگر صرف میری تمنا اور دعا ہے جس طرح آج سے ساڑھے پانچ سو برس پہلے ہماری قوم کو اسلام لانے کی توفیق دی اسی طرح آج بھی توفیق عطا کر اور اس میں اگر اس نے مجھے اس درخت کے بیج بن کر مٹی کے لئے چن لیا ہے تو آپ کو اور میرے محسن مربّی یونس بھائی کو السّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْن میں داخل کر دے آمین۔

کیا آپ مہربانی فرما کر قوم کے ہر فرد کو اور جو سوشل بائیکاٹ میں شریک ہیں یہ اتمامِ حجت سنا دیں گے تاکہ ہر شخص اپنا معاملہ جو اللہ تعالیٰ سے ہے اس میں خود فیصلہ کرے یا سب کی ذمہ داری آپ لینے کو تیار ہیں

فقط

مہاجر فی سبیل اللہ

گناہگار عبدالستار

از قادیان المورخہ ۸ جون ۳۷ء

رقیہ۔ میں نے آج بذریعہ رجسٹری تمہارے والد کو اپنا آخری فیصلہ لکھ دیا ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

میرے محترم بزرگ۔

مجھے افسوس ہے کہ جواب میں دیر ہوئی اور آپ کو بہت انتظار کرنا پڑا اگر مجھ کو میری تحقیقات میں جو ایک کسر تھی وہ یہاں آکر نظروں سے دیکھنے اور جانچنے سے پوری ہوگئی اور میں نے معاملات پر بہت اچھی طرح غور اور فکر کر لیا ہے اور آپ کی تین باتوں کا جواب حسب ذیل ہے۔

(۱)، مَیں اپنی رائے اور اپنے عقیدہ پر پوری طرح مضبوطی سے قائم ہوں اور اس سے ذرہ بھر ہٹنے کو تیار نہیں۔

(۲)، چونکہ آپ کے فتاوی میرے لئے قابلِ تسلیم نہیں ہیں۔ مَیں اپنی بیوی اور بچوں کے حقوق سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں۔ بہرحال وہ میری بیوی اور بچے ہیں جب تک مَیں زندہ ہوں خواہ میرے عقائد سے ان کو اتفاق ہو یا اختلاف۔ موت صرف ایک موت ہی ہے جو ان تعلقات کو ختم کر سکتی ہے

(۳)، زکیّہ کی شادی کے لئے آپ نے اجازت طلب کی تھی مگر افسوس ہے کہ موجودہ حالات میں مَیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ بیوی اور بچوں کو میں اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر کے چلا تھا اور آج بھی اسی رازق العباد کے حوالہ کرتا ہوں۔ وہی ان کی حفاظت اور کفالت کرے گا۔ اور اپنے خزانۂ غیب سے رزق عطا کرے گا۔

اس درمیان میں ان کی اس تکلیف و مصیبت میں۔ اس دوطرفہ کشمکش میں جو بھی ان سے ہمدردی کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے پاس اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا اور جو بھی ان کی اس بے کسی اور مجبوری میں اپنے کسی قول سے فعل سے عمل سے زبان سے ان کا دِل دکھائے گا اس کو ڈرنا چاہیئے کہ مظلوم کی آہ خالی نہیں جاتی۔

گناہ گار عبدالستار

یہ ہے میرا قطعی اور آخری فیصلہ جس پر اللہ تعالیٰ مجھے قائم رکھے اور مَیں نے اپنا منہ اس کی طرف کر لیا ہے۔ میرے لئے بیشک بہت سخت ابتلا ہے مگر الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح فیصلہ کی توفیق دے دی۔ رقیّہ

تم نے سنا ہے پل صراط کا نام جو بال سے باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ آؤ میں تمہیں دکھاؤں کہ وہ پل صراط اسی دنیا میں موجود ہے جس میں لڑکھڑایا تو گیا۔

نمبر۱۔ ایک کے معنی ہیں کہ میں اللہ واحد القہار کی خدائی کو تسلیم کرلوں یا یونس عثمان کی خدائی کو۔ تو میں نے فیصلہ کیا کہ اللہ کی

نمبر۲ کے معنی ہیں کہ تمہارے والد نے کہا ہے کہ میں ان کو اپنے پاس رکھوں گا اور کما کے کھلاؤں گا۔ اور زکیہ کی شادی کر دوں گا بشرطیکہ میں یہ فیصلہ کر دوں کہ میرے تعلقات میری بیوی اور بچوں کے ساتھ قطعی نہ رہیں نہ ظاہر نہ باطن نہ خط نہ کتابت نہ تو میں کوئی خرچ بھیجوں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس کو تسلیم کر کے تمہارے والد کی رزاقیت تسلیم کرلوں اور اللہ رازق العباد کو چھوڑ دوں۔ تو میں بھی مرنے والا ہوں۔ تمہارے والد یونس عثمان بھائی اور سب مرنے والے ہیں۔ پھر تم کو تمہارے بچوں کو اور تمہارے بچوں کے بچوں کو کون کھلائے گا۔ لہذا مجھے ان کی رزاقیت سے انکار ہے اور میں نے ایک ایسے رزاق کی طرف منہ کرلیا ہے اور بھروسہ کرلیا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا اور جو سب کو بغیر کسی شرط کے رزق پہنچاتا رہا ہے اور پہنچائے گا۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنی بیوی اور بچوں کے حقوق سے دستبردار ہو جاؤں۔

نمبر۳۔ کو بھی اسی طرح سمجھو ایسے حالات میں یہ شادی کیا شادی ہو گی اور اس کی کس کو خوشی ہو گی۔

میں نہیں جانتا کہ میرے اس فیصلہ کا تم پر کیا اثر ہوگا۔ تمہیں پسند ہے یا نہیں بہر حال یہ میرا معاملہ میرے اللہ کے ساتھ ہے۔ میں اب کسی دنیاوی مصلحت کی پرواہ نہیں کرتا۔ تمہیں اگر یہ پسند نہ ہو اور اس کے نتیجہ میں تکلیف اور مصیبت جو آئے گی اس کو برداشت کرنے کی طاقت اگر ہو تو اللہ پر بھروسہ کرو اور جو بھی مشکلات آدیں اس پر صبر کرو اور اگر تمہیں پسند ہو تو پھر جو تم لوگوں کو مناسب معلوم ہو وہ کرو۔ مجھے اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ جو کچھ بھی تم مصلحت سمجھ کر کروگی اس کے مجھے کوئی رنج نہیں ہوگا۔ دلوں کا حال اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس جواب کے بعد جو مشکلات آئیں گی وہ میں جانتا ہوں اور خوب سمجھ رہا ہوں مگر اللہ غالب ہے اور غالب رہے گا بشرطیکہ صبر اور استقلال ہو۔

تمہارے والد بغیر کسی شرط کے یا خلع اور علیحدگی پر مجبور کرنے کے بغیر کچھ سلوک تم سے کرنا چاہیں تو یہ حق ہے تمہارے باپ کا اور یہ حق ہے تمہارا اس میں کوئی ہرج نہیں ہے مگر اگر اوّل شرائط کے ماتحت کرنا چاہیں تو پھر تم خود سوچ لو کہ قبول کرنا یا نہیں۔ اس خلع کے معاملہ میں تمہارا جواب یہ ہونا چاہیئے کہ ابھی تو وہ ہے نہیں۔ جب زندہ رہے گا اور آئے گا اس وقت یہ سوال پیدا ہوگا۔ لہٰذا خلع کے بدلے اس کی موت کی خبر کا انتظار کیجئے اور یہی وعدہ وہ مجھ سے لکھنؤ میں کر گئے ہیں کہ مجبور نہیں کریں گے۔

تم کو شاید یہ خیال ہو کہ ایسا سخت اور کھرا جواب دینے کی وجہ یہ ہوگی کہ میں نے کوئی اچھا انتظام کرلیا ہے مگر حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ کوئی کام کاج کا کسی طرح کا کوئی انتظام نہیں بلکہ یک گونہ مایوسی ہے صرف

اللہ پر بھروسہ ہے اور بڑے بڑے بزرگانِ دین اور اللہ والوں کی دعا ہے جو دیر میں رنگ لائے گی یہ میرا ایمان ہے بشرطیکہ استقلال اور صبر ہو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ رکاوٹیں ہو رہی ہیں کہ مَیں ابھی تک یہاں سے نکل نہیں سکا۔ اتفاق سے حضرت صاحب کی طبیعت آنے کے تیسرے دن سے ہی بہت خراب ہو رہی تھی ابھی تک پوری طرح افاقہ نہیں ہوا ہے اور پھر تین چار روز سے ذرا مَیں بھی سست ہو گیا ہوں۔ آنتوں کی تھوڑی تکلیف ہے مگر کوئی ایسی بات نہیں۔ حضرت صاحب کے خاص ڈاکٹر سے علاج ہے۔ دو ایک روز میں ٹھیک ہو جائے گی۔ مَیں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک رہنا ہو گا اور کہاں جانا ہو گا۔ یہ اللہ عالم الغیب کو علم ہے۔ یہاں اس وقت گرمی بہت سخت ہے ۱۱۵۔۱۱۷ ڈگری پر رہتی ہے جو ذرا طبیعت کے موافق نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے سب کچھ برداشت کی طاقت دے دی ہے اور وہی سب کا نگہبان ہے اور اگر یقینِ کامل ہے تو وہ امتحان میں کامیاب اور آسان کرے گا۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ اور بڑھاپے کے اکلوتے فرزند کو بیابان میں چھوڑنے کا حکم دیتا ہے وہ عاشقِ صادق اس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے۔ پھر جب وہ لڑکا دوڑنے کے قابل ہوتا ہے تو بوڑھے نوّے برس کے باپ کو حکم ہوتا ہے کہ ہماری محبت کا دعویٰ ہے تو اس لڑکے کو ہماری نظر کے سامنے ذبح کر دو۔ وہ عاشقِ صادق اس امتحان میں بھی کامیاب ہوتا ہے۔ پھر اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کیا دیتا ہے۔ ساری دنیا کو چھوڑ کر صرف اس کی اولاد میں نبوت اور پیغمبری مخصوص کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اور قیامت تک اس کا ذکر اور اس پر درود جاری رہتا ہے

کیا اس میں تم لوگوں کے لئے کوئی عبرت ہے؟ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک ہر طرح کی مصیبت برداشت کر کے ہجرت کرتے ہیں۔ ایک رفیق صادق ساتھ ہے پھر کیا ہوتا ہے۔ چند سالوں کے بعد دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوتا ہے۔ کیا اس میں کوئی سبق ہے؟ راہ میں کانٹے ضرور ہیں۔ مصائب اور ابتلاء ہیں اس کے بغیر کوئی جنت میں آسانی سے کود جائے یہ ممکن نہیں۔ ہاں البتہ بیوقوفوں کی خیالی جنت میں وہ ضرور ہے مگر آنکھ بند ہوتے ہی پتہ لگ جائے گا۔ اس کے بعد ہر روز جو کچھ گذرے وہ اسی طرح تم لکھا کرو میں جہاں ہوں گا پہنچ جائے گا۔ . .

. . . اللہ تعالیٰ جامع المتفرقین ہے اس سے دعا کرتے رہو اور خوب عاجزی اور سوز و گداز سے راتوں کو دعا مانگو تو وہ پھر انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد پوری کامیابی کامرانی اور فتحمندی اور خیریت و عافیت کے ساتھ ملا دے گا اور رزق کی راہیں کشادہ کر دے گا۔ ہر معاملہ میں اپنا وسیلہ صرف خدا ہی کو بناؤ اسی کے ہو رہو تو وہ ضائع نہیں کرے گا۔ اگر سوشل بائیکاٹ وہ پھر کریں تو جس سے بھی تمہاری بات ہو صاف کہہ دینا کہ ہم تو اللہ کے بھروسہ بیٹھے ہیں۔ وہی ہمارا کارساز ہے۔ جس کو یونس عثمان کی خدائی منظور ہو اور اس کا بندہ ہو وہ ادھر ہو جائے۔ یہ صرف دوسروں کو نہیں بلکہ اب چاچی کو، رحمت کو اور تمہارے بھائیوں کو بھی یہی کہنا۔ اب ضرورت کمزوری کی نہیں ہے مصلحت مضبوطی میں ہے تم اس کو سمجھو اور ڈرو نہیں اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور تماشہ دیکھو۔ تمہارے والد بغیر کسی شرط کے تم کو کچھ دینا چاہیں تو وہ تم کو دودھ سے زیادہ حلال ہے لے لینا مگر کسی شرط کے ساتھ نہیں۔

تمہارے والد کی باتوں کو لکھنؤ میں مَیں بڑی حیرت سے سُن رہا تھا کہ یا اللہ دنیا اور دنیا کے کیڑے کس قدر گری ہوئی حالت میں ہیں کہ باپ اپنی بیٹی سے کہتا ہے کہ تم کو خلع لینا ہی ہوگا اور داماد سے کہے کہ تم اس کا وعدہ کرو کہ تم ظاہر باطن کسی طرح کا کوئی تعلق نہ رکھو نہ خط لکھو۔ نہ کلکتہ آنے پر بھی کوئی ملاقات کی کوشش کرو مختصر یہ کہ تم اب اسی حالت میں مرجاؤ اور پھر کبھی ادھر کا رُخ نہ کرو تو پھر میں بیٹی اور بیٹی کے بچوں کو پالوں گا۔ یَااَللّٰہُ الْعَجَبْ یَااَللّٰہُ الْعَجَبْ۔ یونس بھائی اور ان کے حواری بھی شاید اسی خیال میں ہوں کہ اچھا ہوا اب وہ مر ہی جائے تو یہ قصہ ختم ہو جائے مگر کیا ان کی یہ امیدیں پوری ہو جائیں گی؟ اللہ بہتر جانتا ہے کہ غیب کا علم اسی کو ہے مگر مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارہ مئی کو ٹال کر کسی مصلحت سے میری عمر بڑھا دی ہے۔ بہرحال میرا بھروسہ اسی پر ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔

زکیّہ اور رابعہ کو پوری تسلّی اور اطمینان دلانا اور کہنا کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ یقین رکھو کہ بہت بہتری کے لئے ہو رہا ہے اور گھٹاٹوپ اندھیرے اور طوفان میں سے پھر روشن آفتاب نکل آئے گا مگر معاملہ اللہ تعالیٰ سے رکھو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر بننے سے پہلے بھائیوں کے ہاتھ سے اندھے کنویں میں گرنا اور غلام بن کر بکنا ضروری تھا ورنہ ہرگز وہ مصر نہ پہنچتے۔ جو بات آج تم کو بے عزّتی اور خفت کی معلوم ہوتی ہے وہی چیز دراصل آگے چل کر عزت بنتی ہے۔ رفیعہ اور ریحانہ کو پیار کرنا۔ باجی کو کہنا کہ اللہ پر بھروسہ رکھے۔ رحمت کو دعا کہنا عائشہ اور عظیم کو بھی۔ ہادی سے کہنا کہ اطمینان رکھو کہ گھروں کا بنانا اور بگاڑنا صرف اللہ کے اختیار میں ہے نہ کسی اور کے بنائے

بگاڑے نہیں بگڑتے بنتے۔

طبیعت میں بہت کشمکش تھی۔کل فیصلہ کُن جواب لکھ دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے سکونِ قلب عطا کر دیا ہے تو اب میں نے عائشہ زکیہ رالعہ۔رقیعہ۔ریحانہ۔عظیم رحمت اور چاچی کو سب کو یاد کیا ہے۔تم کو یہ فکر کیوں ہے کہ میرے پاس اب باقی کتنے روپیہ ہیں۔مَیں ان روپوں کو گنتا نہیں نہ ان پر میرا دارو مدار ہے۔مجھے تو ایک ایسا خزانہ معلوم ہو گیا ہے کہ اس میں سے جس وقت جتنی ضرورت ہو گی ملے گا اور کبھی ختم نہیں ہو گا۔اس طرف سے بالکل بے فکر رہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہیں کریگا۔تم لوگ اپنی طبیعت میں اطمینان پیدا کرو۔اللہ بڑا کارساز ہے۔

گناہگار

عبدالستار

از قادیان المورخہ ۱۳ر جون ۳۷ء

رقیہ۔

میرا فیصلہ آج پانچ روز ہوئے تمہارے والد کے نام جا چکا ہے تم کو معلوم ہو گیا ہو گا خواہ وہ کسی کو پسند آئے یا نہ آئے۔میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور وہ بالکل صاف ہے۔مَیں منافق نہیں بننا چاہتا۔مجھے یقین ہے کہ مَیں حق پر ہوں تو پھر ساری دنیا کی مخالفت کی مجھے پرواہ نہیں ہے۔دوسری بات جو تمہارے والد نے پیش کی تھی وہ یہ کہ مَیں بالکل قطع تعلق کر لوں تو وہ میری بیوی اور بچوں کی ذمہ داری لیں گے اور ان کی شادیاں وغیرہ کر دیں گے۔یہی ایک جگہ ہے جہاں انسان بیوی اور بچوں کی محبت میں شرک کر بیٹھتا ہے اور یہی ایک چیز تھی جس کو سوچنے اور سمجھنے میں

اور جواب دینے میں اس قدر دیر لگی اور مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے آخر کار صحیح فیصلہ کی توفیق عطا کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے دوکانداری منظور نہیں ہے اور مَیں کسی دوسرے کی رزاقیت اور ربوبیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں مَیں بھی مر جاؤں گا اور دوسرے بھی سب فانی انسان ہیں پھر اس کے بعد میرے بچّوں کی اور بیوی کی پرورش کون کرے گا لہٰذا مَیں صرف اس زندہ حیّ و قیوم خدا کے حوالہ کرتا ہوں جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اپنی بیوی اور بچوں کی جسمانی اور روحانی دونوں طرح کی ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عائد کی ہے اس سے میں دست بردار ہونے کو تیار نہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا (التحریم : ۷) کہ اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اس حکم کے ماتحت بھی یہ میری ذمہ داری ہے نہ کہ کسی اَور کی مَیں اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے ان ذمہ داریوں کے پورا کرنے کی توفیق دے۔ البتہ موت کے ساتھ ساری ذمہ داریاں ختم ہو جاتی ہیں تو جس کو بھی یہ بات پسند نہ ہو وہ میری موت کا انتظار کرے۔ اسی طرح سے مَیں زکیہ کی شادی کی اجازت نہیں دے سکتا کیونکہ اب مجھے اس معاملہ میں بہت کچھ سوچنا ہے۔

بہت ممکن ہے کہ تم کو خلع کے لئے مجبور کیا جائے مگر مَیں یقین سے کہتا ہوں کہ اَور بہت سی بے معنی اور لغو حرکات جیسے طلاق اور تجدید نکاح وغیرہ کی گئیں اسی طرح کی یہ ایک لغو حرکت ہو گی۔ نتیجہ کے لحاظ سے نہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں یہ کوئی چیز ہے اور نہ حکومت کا قانون اس کو روا رکھتا ہے۔ یہ چند جبہ پوش اخوان الشیاطین کا دلچسپ مشغلہ ہے جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں اور جن کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو برس پیشتر شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ یعنی آسمان کے نیچے بدترین مخلوق“ کا خطاب دیا ہوا ہے۔ میری نظر میں ایک ردّی کاغذ کے ٹکڑے کے برابر بھی ان فتووں

کی قیمت نہیں ہے کجا کہ مَیں تسلیم کر دں ۔جس شخص کو خدا نے آنکھیں دی ہوں ، دِل دیا ہو دماغ دیا ہو وہ پھر بھی اپنی آنکھیں بند کر کے اگر ان کے پیچھے چلتا ہو تو چلا کرے مَیں اس کے لئے تیار نہیں ہوں ۔اب اگر اس کی وجہ سے پھر تم لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو ۔صبر سے برداشت کرو ۔ دن رات عاجزانہ دعاؤں اور توبہ و استغفار کا ذریعہ اختیار کرو ۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد فیصلہ کر دے گا۔ مگر مَیں ان خیالی تکالیف کے لئے اپنا ایمان نہیں بیچنا چاہتا ۔بچے سب اچھے ہوں گے مَیں سب کے لئے دُعا کرتا ہوں اور اس وقت میرے پاس ہے بھی یہی کچھ ۔ اللہ تعالےٰ تم لوگوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے ۔

گناہ گار
عبدالستار

از قادیان المورخہ ۱۶ ؍ جون ۳۷ء

رقیہ ۔ تمہارا ۱۲ جون کا خط پہنچا ۔ الحمد للہ رب العالمین کہ میرا فیصلہ صحیح ثابت ہوا ۔ اور مجھے سب سے زیادہ اطمینان اس بات کا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اب تمہارے دل سے ڈر اور ہیبت اور گھبراہٹ کو ہٹا کر یک گونہ سکون عطا کیا ہے یہ تمہاری تحریر سے ثابت ہوتا ہے اور مَیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے صحیح فیصلہ کی توفیق عطا فرمائی اور اس قدر تکلیف جو پہلے تم لوگوں کو ہوئی وہ بھی صرف تم لوگوں کی اپنی خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے ہوئی ۔کاش کہ میرے کہنے کے مطابق تم لوگ پہلے دن سے مضبوطی اور استقلال سے قائم رہ کر تماشہ دیکھتے ۔ رقیہ کیا تم کو اب بھی اس میں اللہ تعالیٰ کا پوشیدہ ہاتھ نظر نہیں آتا کہ وہ باوجود ان لوگوں کی جاہ و ثروت ،عزت ، اثر رسوخ اور پوری قوم کی منفقہ قوّت کے ایک عاجز درماندہ

ضعیف مریض مجبور انسان کے مقابلہ میں بے دست و پا ہو گئے ہیں ان کا ہر قدم غلط اٹھا اور خود ان کو شرمندہ کر گیا۔ ان کی ساری تدبیریں بیکار ہو گئیں۔ ان کی لغو حرکات خود ان کو ان کے دل میں شرمندہ کر رہی ہیں۔ مجھے ڈرانے والے خود ڈر گئے ان کے دل کمزور ہو گئے ان کے بازو شل ہو گئے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں مجھے میری بیوی بچوں سے علیحدہ کرنے کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں اور ان کو معلوم ہو گیا کہ اس نحیف لاغر جسم کے اندر ایک ناقابلِ تسخیر روح ہے جو روٹی کی لالچ اور دولت کے رعب سے مغلوب نہیں ہو سکتی۔ وہ بھی بیچارے مجبور ہیں کہ ہمیشہ ان کو پیٹ کے کتوں سے سابقہ پڑا ہے اور وہ ٹکڑوں کے لالچ میں ان کی ناک پکڑ کر گھمایا کرتے تھے۔ مگر کسی اللہ کے بندہ سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ عبدالرزاق صاحب نے فرمایا تھا کہ زبردستی اس کو اس کے بیوی بچوں سے علیحدہ کر دیا جائے۔ کہو کہ ابھی اور اپنی قوت آزمائی کر لیں۔ رقیہ۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو عجیب عجیب طریقہ سے رزق پہنچائے گا۔ اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ ہرگز ہرگز کسی انسان کو اپنا رازق نہ سمجھو۔ غیر اللہ کا خوف، غیر اللہ سے طمع دونوں باتوں کو دل سے نکال ڈالو۔ خالص اللہ کے بندہ بن جاؤ وہ تمہارا ہو جائے گا۔ بچوں کی قسمت پر بیوقوف افسوس کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے بچوں کی قسمتوں کا فیصلہ ان کے ذمہ کر دیا ہے۔ کیا تقدیرِ الٰہی کو ان کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر میرا رعب غالب کر دیا ہے۔ وہ اب کوئی شرارت نہیں کر سکتے۔ تم لوگ صبر اور سکون کے ساتھ اللہ کی مدد طلب کرو اور عاجزانہ دعاؤں میں مشغول رہو .... ایسی جماعت کے ساتھ میں پہلے بھی کب تھا اور اب بھی مجھے کونسی محبت اس جماعت سے ہے مگر وہ مجھے ذلت کے ساتھ نکالنے میں انشاء اللہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ اب جو وقت جاتا ہے اس میں مجھے امید ہے کہ لوگ زیادہ محبت کے ساتھ تمہاری طرف رجوع کریں گے۔ میری

موت اور حیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور مجھے اس بارگاہِ ایزدی میں امید ہے کہ وہ مجھے زندہ رکھے گا تو عزّت کے ساتھ اور موت دے گا تو عزّت کے ساتھ اور میرے بعد بھی وہ میرے بیوی بچّوں کو عزّت اور راحت کی زندگی دے گا بشرطیکہ وہ ان عارضی مشکلات سے گھبرا کر اللہ سے تعلق نہ توڑ ڈالیں۔ اب تم مجھے کچھ دن خط نہ لکھنا کیونکہ میرا ارادہ اتوار تک یہاں سے روانہ ہونے کا ہے۔ کچھ قطعی فیصلہ نہیں ہے مگر زیادہ خیال بمبئی کا ہے اس کے علاوہ تمہارے خط سے نوری کی کوشش کا حال معلوم ہوا۔ اس لئے بھی بمبئی کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔ بمبئی میں حسین بھائی لال جی سے ملوں گا۔ اور نوری کو مَیں انشاء اللہ کل ایک خط لکھوں گا اور اس درمیان میں تم ہادی یا محمد کے ذریعہ نوری سے کہلا بھیجنا کہ وہ ضرور کوشش کرے اور حسین بھائی کو خط لکھے۔ بہرحال جہاں بھی جانا ہوگا مَیں تم کو لکھ دوں گا مگر اب جو خطوط تم لکھ چکی ہو وہ تو مجھے مل ہی جائیں گے اس کے بعد میرا دوسرا پتہ ملنے تک خط نہ لکھنا۔ خلع وغیرہ کا کہیں تو انکار قطعی کر دینا تمہارے والد رہیں تو بھی اچھا اور جانا چاہیں تو جانے دینا۔ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے ملانے کا ایک عجیب ذریعہ پیدا کر دیا تھا وہ پورا ہوگیا۔ کرسی میز اور پنکھا وغیرہ جو زیادہ غیر ضروری چیز چھوٹے مکان میں نہ لے جا سکو اس کو کچھ تجویز کر کے فروخت کر دینا۔ اگر آدم بھائی لینا چاہیں تو کرائے کے قرض میں اتنی رقم وضع ہو جائے گی ... میری طبیعت اب اچھی ہے کچھ فکر نہ کرنا۔ امید ہے کہ تم سب اچھی طرح ہوں گے۔ مَیں زیادہ فکر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ مَیں دن رات دعا کرتا رہتا ہوں۔ یہاں میرا یہی شغل ہے اور سب خیریت ہے۔ تم لوگ بھی دعا کرتے رہنا وہ جامع المتفرقین اپنے فضل و کرم سے فتح و کامرانی اور فارغ البالی کے ساتھ ہم سب کو پھر جمع کر دے گا انشاء اللہ تعالیٰ

خاکسار

عبدالستار

از قادیان المورخہ ۲۲ جون ۳۷ء

رقیہ! یہ جگہ قادیان ایسی ہے کہ اگر تم لوگوں کی ذمہ داری مجھ پر نہ ہوتی تو زندگی کے باقی ایام میں بڑے اطمینان اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتا اور یہ ذمہ داری میں اس وقت بڑی آسانی سے والد پر پھینک کر علیحدہ ہو سکتا تھا مگر کیا ایسی عبادت اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ مَیں جب تک زندہ ہوں اپنی ذمہ داریوں سے بھاگنا نہیں چاہتا۔ میرا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہے وہی بہترین کارساز ہے کوشش کئے جاؤنگا۔ نتائج اس کے اختیار میں ہیں۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مَیں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ ابتلاء میرے لئے لازمی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے اور وہ قانون بدلتا نہیں ہے۔ تم لوگ جس کو مصیبتِ عظمیٰ سمجھ رہے ہو مَیں اس کو اللہ تعالیٰ کی عنایات سمجھ رہا ہوں اور مَیں جانتا ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے اور یہ کیسی مقصد کی تیاری ہے اور اس کے بغیر وہ مقاصد پورے ہو ہی نہیں سکتے۔ یوں اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر دعائیں یقین اور صبر اور شکر یہ ضروری باتیں ہیں ان کو نہ بھولو کبھی ناامیدی اور مایوسی کا دل میں گذر نہ ہونے دو۔ اگرچہ سالہا سال گذر جائیں۔ پچھلی راتیں بہت قبولیت رکھتی ہیں۔ کوشش کرو کہ اس وقت تنہائی میں اپنے دل کو اس طرف لگاؤ۔ دنیا کے بکھیڑے کم کرو۔ قبولیتِ دعا میں تقویٰ بہت ضروری ہے اور تقویٰ کے لئے ضرورت ہے کہ جھوٹ، غیبت، غصہ، انتقام سے بالکل ہاتھ اٹھا لو۔ غیر اللہ کا خوف اور غیر اللہ سے طمع یہ دو چیزیں بالکل نکل جانی چاہئیں۔ خدا ہی سے ڈرو۔ اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ اسی پر توکّل کرو۔ تم سچّی نیت سے وفاداری کرو تو یقیناً وہ تمہارا ہو جائے گا اور غیب سے ایسے ایسے ذرائع سے تم لوگوں کو رزق پہنچائیگا

کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوگا مگر اگر تم نے کمزور مخلوق کی طرف رزق کے لئے ہاتھ پھیلایا یا دل میں طمع رکھی تو اکثر تو نا امید ہی ہونا پڑتا ہے اور انسانوں کا احسان لینے کے بعد جو کچھ نتیجہ ہوتا ہے اس کا کچھ تجربہ تو ہو ہی گیا ہے۔ پھر یہ کہ صرف اللہ ہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بندوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا رہتا ہے اور تھکتا نہیں نہ کبھی اس کا خزانہ ختم ہوتا ہے تو اسی سے مانگو وہی پورا کر سکتا ہے

امید رکھتا ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ تم سب اچھی طرح سے ہو۔ اس سے زیادہ میری فکر بیکار ہے۔ میں نے جس کے حوالہ کیا ہے وہی تم لوگوں کا محافظ ہے جو کوئی مجھے پوچھے اس کو میرا سلام پہنچا دینا۔

گناہ گار

عبدالستار

سیٹھ یونس عثمان کے نام

میرے محسن و میرے مربّی!

چونکہ گجراتی زبان میرے مطالب ادا کرنے کے لئے موزوں نہیں ہے اس لئے اردو میں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا اور مجھ پر جو کچھ گذری اور میرے ساتھ جو کچھ ہوا اس کا مجھے نہ رنج ہے نہ افسوس نہ شکایت نہ غصّہ نہ انتقام۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الحمد للہ ان سفلی جذبات سے نکال کر اس سے بہتر چیزیں میرے دل میں بھر دی ہیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے بندوں سے محبت اور ان کے لئے دعا اور یہی جذبہ ہے جو مجھے یہ خط لکھنے پر مجبور کر رہا ہے۔ خصوصاً اس سے کہ آپ میرے محسن ہیں۔ حقیقی معاوضہ تو آپ کی

نیت کے مطابق آپ کو اللہ تعالیٰ دے گا مگر هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانِ ۔ کے ماتحت مَیں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہر وقت دل سے اور زبان سے چند باتیں آپ کو بتادوں تاکہ غلط فہمی کی وجہ سے جو نقصانات آپ کو نادانستہ پہنچ رہا ہے اس سے آپ بچ جائیں اور وہ نیکیاں جو آپ نے کی ہیں دھل نہ جائیں۔

اس تمہید سے شاید آپ کو یہ خیال ہوگا کہ مَیں نے جو کچھ کیا ہے اس کے متعلق (APOLOGY) کے طور پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں یا پھر عقائد کی بحث حَاشَا وکَلَّا ہرگز میرا یہ مقصود نہیں مگر صرف اس قدر اپیل کرتا ہوں کہ اس تحریر کو آپ غصّہ اور عجلت سے علیحدہ ہو کر پڑھیں اور اس پر چند لمحہ خالی الذہن ہو کر غور اور فکر کر لیں اس کے بعد بھی اگر آپ کا ضمیر آپ کو یہ مشورہ دے کہ آپ نے جو کچھ کیا صحیح کیا اور جو کچھ کرتے جا رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں تو پھر میرا اور آپ کا دونوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے۔ وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے لیکن اگر آپ کا نفس آپ کو یہ فیصلہ دے کہ میرے معاملہ میں آپ کی طرف سے دانستہ یا نادانستہ کچھ زیادتی ہوگئی ہے تو اس چند روزہ دنیا کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے درست کرلیں۔

یہ ممکن ہے کہ ذیل کی تحریر میں کچھ الفاظ ایسے آجائیں جو ادب کے خلاف ہوں تو مَیں معافی چاہتا ہوں۔ میرا مطلب ہرگز بے ادبی نہیں بلکہ اظہارِ واقعہ ہوگا۔

(۱) آپ سے جو میری مختصر گفتگو ہوئی تھی اس میں آپ نے میری کوئی بات سننے سے انکار کیا تھا یہ آپ کی مرضی تھی آپ کا اختیار تھا۔ اس میں میرا کوئی زور نہیں تھا۔ مگر اس دوران آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "یہ تمہاری عاقبت کا معاملہ ہے مجھے اس سے کچھ بحث نہیں"۔ اس پر آپ قائم نہ رہے اور اس کے فوراً بعد ہی آپ نے پارٹ لینا شروع کردیا۔

(۲) آپ نے فرمایا تھا کہ ابا میاں میرے پاس آیا تھا۔ وہ لڑکے کی نسبت توڑنا چاہتا

ہے۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتا ہوں تم جماعت کی اجازت لو اور توڑ دو میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔ مگر آپ اس پر بھی قائم نہیں رہے اور اس کے فوراً بعد ہی کارروائی شروع کر دی اور معاملہ کو وہاں تک پہنچایا کہ خطرناک حد تک پہنچ گیا۔

(۳) کچھی میمن جماعت کے صدر ہونے کی حیثیت سے آپ نے جماعت کے لوگوں کو بلا کر مجھے جماعت سے خارج کرنے کی تجویز کی حالانکہ جماعت کا کوئی ایسا قانون نہیں نہ جماعت کے کسی فرد کو اس کا اختیار ہے نہ بمبئی کلکتہ مدراس بنگلور کراچی کس جگہ کوئی ایسی مثال موجود ہے حالانکہ میرے پاس دلیلیں موجود ہیں کہ بمبئی مدراس بنگلور میں میمن ہے اور ابھی موجود ہیں جو جماعت احمدیہ قادیان سے تعلق رکھتے ہیں اور جماعت کو ان کے نکالنے کا کوئی حق نہیں۔ کلکتہ میں تو ایسے ایسے لوگ موجود ہیں جو خدا رسول اور مذہب ہی سے منکر ہیں۔ ان میں کچھ تو ایسے بھی ہیں جن کو پوچھا جائے جو پنجوقتہ نماز کے بھی قائل نہیں اور غالباً اعلانیہ اس کا اقرار بھی کرتے ہیں ......

(۴) شاید جماعت سے خارج کرنے کا بھی آپ کو علم تھا اس کے علاوہ اپنے متعلق تو آپ کو اختیار نہ تھا لیکن میمن جماعت کے تمام افراد کو بلا بلا کر بائیکاٹ کرنے کی تحریک آپ نے کی۔ میرے تمام قریبی رشتہ داروں کا آنا جانا ملنا ملانا آپ نے بند کرایا۔ بھائی کو بھائی سے بہن کو بھائی سے ماں کو بیٹی سے بیویوں کو شوہروں سے آپ نے علیحدہ کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اتنا تنگ کیا گیا کہ اپنی بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں سے جدا ہونا پڑا

(۵) یہ سب کچھ میرے ساتھ ایسی حالت میں کیا گیا اور یہ جانتے ہوئے آپ نے کیا کہ میں موت کے بستر پر زندگی کے دن گن رہا ہوں اور ڈاکٹر نے یہ فیصلہ دیا ہوا ہے کہ آئندہ اگر مجھے باہر نکلنے کی مجبوری ہو تو ایک آدمی میرے ساتھ رہے۔ یعنی ہر وقت ہارٹ فیل ہو جانے کا خطرہ ہے۔

(٦) یہ سب کچھ آپ نے یہ جانتے ہوئے کیا تھا کہ مَیں تنگدست ہوں مگر میرے وہ تمام راستے بھی بند کر دیئے جہاں سے مَیں قرض لاکر بچوں کو پورا کرتا۔ یہ بہت خطرناک حد ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی روزی بند کرنے کی کوشش کی گئی۔

(٧) اس کے بعد آپ نے کچھی میمن جماعت کے صدر کی حد سے آگے بڑھ کر مذہبی خلیفہ کی حیثیت اختیار کر لی اور علماء اور مولویوں کو بُلا کر میرے متعلق فتوے لئے اور اس کے بعد میری بہن اور بیٹی کے لئے طلاق کا فیصلہ صادر فرمایا۔

(٨) جب سب طرف سے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ مَیں نے فیصلہ کیا مجھے سب سے پہلے جو چیز کرنی چاہیئے کہ بستر اور ڈاکٹر پر لعنت بھیج کر اللہ تعالیٰ سے قوّت طلب کرو اور بچوں کے لئے رزق تلاش کرنے لگ جاؤں لیکن اس کوشش میں مَیں جہاں جہاں گیا اور جس آدمی سے ملتا وہاں اس آدمی کو بھڑکانے کی کوشش کی گئی اور میرے روزی کے راستے بند کئے گئے۔ آپ نے میری بہن رحمت بی بی سے فرمایا کہ تم اور تمہارا شوہر اگر ان لوگوں سے ملنا نہیں چھوڑو گے تو تم جہاں کام کر رہے ہو وہ چھڑا دیا جائے گا۔ اور تم لوگوں سے بھی وہی سلوک ہوگا جو اُن سے ہوگا اور بھی باتیں ہیں جو بہت طویل ہیں۔

(٩) میری بیوی اور بچوں کو اس قدر ڈرایا گیا کہ مَیں نے جو ان کی گریہ زاری اور خراب حالت دیکھی وہ میری موت کے لئے کافی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے جو زبردست قوّت عطا کی ہے اس نے مجھے زندہ تو رکھا ہے اور بہرحال مقررہ وقت تک زندہ رہوں گا مگر یہ سب کچھ میری برداشت سے باہر تھی۔ لہٰذا جو کچھ بھی تھی مَیں نے اپنے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں بیوی بچوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے ہجرت کی ٹھانی اور اپنے وطن کو خیرباد کہہ دیا۔

اللہ بھلا کرے بیچارے مدن لعل کا۔ پُرانی دوستی کام آگئی اور چلتے وقت اس

نے مدد کردی ۔ آئندہ اللہ تعالیٰ سامان پیدا کرے گا۔ یہ حقیقت میرے چلنے کے وقت تک اس کے بعد میری بیوی اور بچوں پر کیا گذری وہی عالم الغیب جانتا ہے۔ میں نے اُسی کے حوالے کیا ہے وہی ان کا کارساز ہے ۔

اب جو اصل بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس پر آپ غور فرمائیے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر فرمائیے وہ بصیرت عطا کرے گا۔ یہ چیزیں دوسروں کیلئے نہیں بلکہ اپنے نفس کی بہتری کے لئے ہیں۔ سوچئے اور اپنی ضمیر سے فیصلہ پوچھئے ۔

(۱) کیا یہ سب کچھ آپ نے اس لئے نہیں کیا تھا کہ آپ نے کچھ احسانات مجھ پر کئے ؟ اگر ایسا ہے تو کیا ان احسانات کو آپ نے ضائع نہیں کر دیا ؟

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہ کرے بلکہ اس کے بدلے آپ کو ہدایت کا راستہ دکھا دے۔

(۲) کیا آپ نے یہ سب کچھ اس لئے نہیں کیا کہ مجھے موت کے بستر پر تنگدست مجبور اور لاچار پایا اور خیال کیا کہ اس کو مرضی پر چلنے کے سوا نجات ہی نہیں ہے ؟ اگر آپ کا نفس گواہی دے کہ ہاں ایسا تھا تو آپ اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ سے صاف کر لیجئے۔

(۳) کیا آپ نے سب کچھ اس لئے نہیں کیا تھا کہ میرے بیوی بچے مجھے گھبرا کر پریشان کریں گے اور ان کی گریہ وزاری مجھ سے دیکھی نہیں جائے گی اور میں مجبور ہو کر اللہ کے سوا آپ کے پاؤں پر گروں گا کیا یہ دوسرے الفاظ میں اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ نہیں ہے؟

(۴) کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو ثروت عطا کی ہے اور جماعت کا صدر بنایا ہے اور اثر و رسوخ عطا کیا ہے اس کا آپ نے ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ کیا میں آپ کی جگہ اور آپ میری جگہ ہوتے تو جو کچھ آپ نے کیا وہی کرتے اور کر سکتے ؟

(۵) کیا اگر عبدالرحیم عثمان یا کوئی اور ہوتا تو آپ یہی کچھ کرتے جو آپنے میرے ساتھ کیا اور کیا کامیاب ہوتے ؟

یہ تو چند اِک مثالیں ہیں جن سے آپ جیسا عقلمند اور سمجھدار آدمی بہت کچھ قیاس کر سکتا ہے۔

مَیں جانتا ہوں کہ جواب میں آپ یہی فرمائیں گے کہ آپ کا مقصد صرف اصلاح تھا۔ آپ کو مجھ سے اور میرے بچوں سے بہت محبت ہے یہ بالکل ٹھیک ہے مجھے اس کا اقرار ہے لیکن اب آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ اس لاغر نحیف کمزور، خاموش طبع، مریض، تنگدست انسان کے جسم کے اندر ایک سچائی کی ناقابلِ تسخیر روح ہے۔

(۱) غرض کہ نتیجہ یہ نکلا کہ دوسروں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا اور میرے رزق کے راستے بند کرنے کی اور مجھے ذلیل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

(۲) آپ نے مجھ سے گفتگو سے انکار کر کے سمجھوتے کی تمام راہیں بند کر دیں۔

(۳) مجبوراً مجھے یہ سفر اختیار کرنا پڑا جس سے شاید نہیں بلکہ یقینی یہ صورت پیدا ہو گئی کہ ہمیشہ کے لئے مَیں اپنے بیوی بچوں سے جُدا ہو گیا اور اس مرض الموت میں رفیقۂ حیات کی خدمت سے محروم ہو گیا۔

(۴) میری صحت کی جو حالت ہے اس سے شاید آپ کا دِل بھی گواہی دے رہا ہوگا۔ اب میرا زندہ آنا محال ہے۔ مرنے کے دن تو مَیں گن ہی رہا تھا۔ مرنا تو بہرحال ایک دن ہے ہی مگر اس سفر میں مجھے موت آئی اور مَیں غریب الوطن مرا تو کیا آپ کا دل یہ گواہی نہیں دے گا کہ میرے خون کی کچھ ذمہ داری آپ پر بھی ہوگی آپ شاید اس طرح اپنے دل کی تسلّی کر لیں گے کہ آپ تو اصلاح کے لئے کر رہے تھے۔ مَیں نے حماقت کی اور چل پڑا جس کے آپ ذمہ دار نہیں ہیں۔ مجھے گویا آپ کے آگے ہتھیار ڈال دینا چاہیئے تھا اور احمدیت سے رجوع کر لینا تھا پھر سب کچھ درست ہو جاتا۔

مگر میرے محسن و مربّی! اصلاح کس چیز کی جس کے متعلق آپ خود کچھ نہیں جانتے بلکہ علماء حنفی سنت والجماعت فیصلوں پر آپ کا دار و مدار ہے اور مجھے ان کے فتووں کی حقیقت معلوم ہے پھر میری اصلاح ان کے فتووں سے کیسے ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت جو آپ نے جبر سے کام لینا کا رستہ اختیار کیا تھا۔ کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے کہ جبر سے کسی کے عقائد بدلے گئے ہوں۔ آپ کی مرضی آپ ان علماء کے پیچھے چلئے اور ان کو صحیح سمجھیئے آپ کو اختیار ہے اور اسی میں آپ اپنی نجات سمجھیئے۔ مگر یہ حق کہاں سے آپ کو پہنچ گیا کہ دوسروں کو بھی آپ اس کیلئے مجبور کریں جو کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ: ۳۱) کی وارننگ کا خیال کرتے ہوئے فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا۔ (الانعام: ۱۶۰) والوں سے الگ ہو کر اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اللہ سے کرے۔ کیا کبھی آپ نے غور کیا کہ آپ کی رائے کے مطابق اگر میں چلوں تو آپ اِسکی گارنٹی کر سکتے ہیں کہ مجھے دوزخ سے بچا کر آپ جنّت میں لے جائیں گے۔ یا یہ علماء اس کی گارنٹی کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ کریں بھی تو یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں صاف صاف فرماتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ہرگز ہرگز وہاں کسی کا بوجھ نہیں اٹھایا جائے گا پھر یہ سب کچھ آپ نے کس لئے کیا؟

مجھے افسوس ہے کہ آپ نے بغیر سمجھے بوجھے بڑی بڑی ذمہ داری اٹھالی۔ کاش یہ قصہ آپ ان علماء کے لئے ہی چھوڑ دیتے اور ان کو ہی فتوے لکھنے دیتے آپ اس میں اپنا ہاتھ نہ رنگتے اور اتنی بھاری ذمہ داریاں نہ اٹھاتے۔ قتلِ مرتد کا ثواب انہی کو لینے دیتے۔ جن بیچاروں کو مرتد کے معنے بھی معلوم نہیں۔ مرتد تو وہ ہوتا ہے جو اسلام میں داخل ہو کر پھر اپنے پُرانے مذہب پر جاتا ہے نہ کہ وہ جو اسلام کے لفظاً و معناً ہر ہر حکم کو قابلِ عمل سمجھتا ہو اور اس سے ایک قدم آگے

بڑھ کر چودہ سو برس کی اللہ اور اس کے رسول کی پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھ کر تصدیق کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اور قرآنِ پاک کا اور زیادہ مومن مصدق ہوتا ہے۔ مَیں مرتد نہیں ہوا بلکہ آپ جو کچھ مجھ سے کروانا چاہتے ہیں وہ مرتد بنانا چاہتے ہیں۔ نکاح کسی کا بھی نہیں ٹوٹا۔ نہ میرا نہ میری بہن کا نہ میری بیٹی کا۔ نہ طلاق ہوئی ہے نکاح نام ہے ایجاب و قبول کا، مہر کا اور وہ صرف شوہر کی یا بیوی کی دو میں سے کسی ایک کی نارضامندی سے طلاق لی یا دی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے دس کروڑ مولوی بھی چاہیں تو فتوے لکھا کریں نہ نکاح ٹوٹتا ہے نہ طلاق ہوتی ہے اور شوہر اور بیوی دونوں راضی ہیں۔

میری اس تحریر کو خوب غور سے پڑھیئے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ کچھ دکھا دے جو اس نے مجھے دکھایا ہے۔ آمین

مہاجر فی سبیل اللہ
گناہ گار عبد الستار

بابا ۳۰ جون کو قادیان سے روانہ ہو کر پہلی جولائی ۱۹۳۷ء کو بمبئی پہنچے۔ بمبئی۔ سکندر آباد ہوتے ہوئے ۳۱۔ اگست کو کلکتہ پہنچے۔ اگرچہ ہمیں پہلے سے اطلاع تھی تاہم ایک طویل صبر آزما جدائی کے بعد ایک دن اچانک بابا کی آواز کان میں آئی۔ رفیعہ۔ رفیعہ۔ بابا آگئے۔ بابا آگئے۔ ایک خوشی کی لہر کی طرح گھر میں یہ خبر پھیل گئی۔ وہ دن آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ان کی شکل پُر وقار اور پُر نور تھی۔ وہ قادیان رہ کر آئے تھے۔ حضرت مسیح موعود کے مزار پر دعا کر کے آئے تھے۔ خلیفۂ وقت سے شرفِ ملاقات حاصل کر کے لوٹے تھے۔ ایسے بے نظیر انعام لے کر آئے تھے جن کی قدر آج بھی پہلے سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

مَیں بھاگ کر بابا سے لپٹ گئی۔ بابا ایک کمرے میں ہمیں قادیان کے احوال سنا رہے تھے تو دوسرے کمرے میں نانا اپنا بوریا بستر سمیٹ رہے تھے۔ بمشکل واسطے دے کر انہیں روکا کہ شدید بیماری میں نہ جائیں۔ رُک گئے اور یہ نظارہ دیکھنے لگے کہ کس طرح ایک شخص خدا کے حضور روتا اور گڑگڑاتا ہے۔ دونوں کا کمرہ ایک ہی تھا۔ اس کمرے میں احمدیت کی تبلیغ ہوتی۔ زوردار پُر دلائل گفتگو ہوتی اور احباب بہت متاثر ہو کر جاتے۔ ایک نوجوان لڑکا جو دُور کا رشتہ دار بھی تھا سماعت و گویائی سے محروم تھا۔ رنگون میں گونگوں بہروں کے سکول میں تعلیم پائی تھی اور الیکٹریکل انجینئرنگ تک تعلیم پائی تھی۔ کتب لے کر جاتا اور جہاں کوئی سوال ذہن میں آتا آکر بابا سے دریافت کرتا۔ اس کا قلبی اطمینان ہوگیا اور اس نے احمدیت قبول کرلی۔ کافر قرار دینے والے کے لئے یہ نظارے ہی کافی جواب تھے۔ میمن جماعت کے لوگ بھی کبھی کبھی آس پاس میں خیریت پوچھنے آتے کہ کب ہم بالکل بے بس ہو کر ان کے آگے گھٹنے ٹیک دیں گے۔ بابا نے کچھ حصص (SHARES) خریدے ہوئے تھے اِن سے معمولی سی رقم مل رہی تھی مگر بابا کی بیماری بڑھ جانے کی وجہ سے دِقّت ہوتی تھی۔ وہ کسمپرسی کے دن بڑی دعاؤں میں گذرے۔ بابا ایک ایک کا نام لے کر دعائیں کرتے۔ یہ وہ خزانے تھے جو وہ ہمارے نام خدا تعالیٰ کے بنک میں جمع کروا رہے تھے اس وقت بعض باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر تھیں۔ اب بابا کے خطوط پڑھتی ہوں تو حیران رہ جاتی ہوں۔ کس قسم کا خدا تعالیٰ پر توکّل تھا کہ کبھی مایوسی قریب نہیں آئی تھی اور خدا تعالیٰ کا سلوک کس قدر پیار بھرا تھا۔ بیوی کے نام نجی خطوط میں بھی اسی محبوبِ ازلی و ابدی سے زندہ تعلق پیدا کرنے کا ذکر رہتا۔

از بمبئی المورخہ ۱۷ جولائی ۳۷ء

رقیہ ۔ تمہارے ۱۲ جولائی اور ۱۷ جولائی کے دو خط مجھے پہنچے ۔ کیفیت معلوم ہوئی ۔ سب سے پہلے تو میں تم کو تمہارے خواب کے متعلق مبارکباد دیتا ہوں کہ بہت اچھا خواب ہے اس کی تعبیر بہت اچھی ہے ۔ یہ مبشر خواب ہے یعنی بشارت دینے والا ۔ دیکھو پہلے تو جہاز کا سفر، یہ تم کو معلوم ہے کہ بہت اچھا ہوا کرتا ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم کو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ ایک لڑکا عطا کرے گا ۔ تم کو معلوم ہے کہ ریحانہ کے وقت میں تم کو نام دیا گیا تھا کہ عطاء اللہ رکھنا نام مردانہ ہے مگر لڑکی پیدا ہوئی مگر اب کے تم کو نام بتایا گیا ہے مریم رکھنا جو زنانہ نام ہے اور یہ لڑکے کی بشارت ہے مگر صرف اتنا ہی نہیں اس لفظ مریم کے اندر بہت سے راز ہیں جو افسوس ہے کہ میں خط میں تم کو سمجھا نہیں سکتا ۔ قرآن شریف میں سورۂ تحریم کے آخر میں چند آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں کی مثال مریم سے دی ہے ۔ اس پر غور کرنے سے بہت سے اسرار کھلتے ہیں ۔ تم لوگوں کو اتنی فرصت اور سمجھ کہاں کہ اس پر غور کرو مگر میں مختصر میں چند موٹی باتیں سمجھاتا ہوں ۔ تصوف میں صفت مریمی ایک کیفیت ہے اور وہ کیفیت کامل مومن متقی پاکباز کی ہے لہٰذا تم کو ایک کامل مومن متقی پاکباز صالح بلکہ ولی لڑکے کی بشارت ہے اور مریمی صفت پر اگر وہ قائم رہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس میں نفخ روح کرتا ہے کہ وہ کامل اور بڑے درجہ کا ولی اللہ ہوتا ہے جیسے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور تم کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں میری دعائیں کیا تھیں اور کلکتہ سے نکلنے کے بعد سے آج تک اور خصوصاً قادیان میں میں نے اس کے متعلق بہت دعائیں کی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ناچیز کی دعاؤں کو قبول فرمالیا ہے مگر یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا غلام نہیں ہے وہ کسی کے ظن اور قیاس کی پرواہ نہیں کرتا ۔ ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ سے برابر سلسلہ وار

تضرع اور زاری کے ساتھ دعا جاری رکھی جائے اور اپنا تعلق اس کے ساتھ قائم رکھا جائے ورنہ ان بشارات کو اگر ہم لوگ اس کو ناراض کر دیں تو واپس نہ لے لے لہٰذا خوف کا مقام ہے۔ اب رہا تھوڑی سی تکلیف پیدائش کے وقت، تو یاد رکھو کہ ایسی بے بہا چیز کے حاصل کرنے میں کچھ نہ کچھ تکلیف اٹھانی پڑتی ہے مگر چونکہ ہم لوگ کمزور انسان ہیں لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہو کہ مولیٰ کریم تُو بغیر تکلیف کے بھی یہ عطا کر سکتا ہے۔ ہم کمزور انسان ہیں تو ہم پر رحم کر اور اپنے فضل و کرم سے آسان کر دے اور آسانی اور خیریت اور عافیت کے ساتھ یہ نعمتِ غیر مترقبہ ہم کو عطا کر تا کہ ہم تیرا اور زیادہ شکر ادا کریں۔ رقیہ۔ یاد رکھو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑی عنایت کی ہے۔ اس معاملہ میں شکوک و شبہات میں نہ پڑنا بلکہ اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ رکھنا۔ دنیا میں صرف پیٹ بھرنا ہی مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے بڑے مقاصد ہیں اس کے حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہیئے اور خدا سے ہمیشہ دعا کرنی چاہیئے وہ دنیاوی معاملات بھی ٹھیک کر دے گا اور ایسے ایسے طریقوں سے کرے گا کہ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔ شرط یہ ہے کہ اس سے تعلق نہ توڑے۔

تمہارا دوسرا خواب تو ظاہر ہی ہے اور صحیح ہے۔ رقیہ۔ ان رؤیا وغیرہ کا سلسلہ جو میرے ساتھ چلا ہے وہ سب کچھ مَیں لکھ تو نہیں سکتا مگر مَیں خود حیرت زدہ ہوں کہ اس حقیر ناچیز ذلیل گنہگار انسان پر اللہ تعالیٰ کی کیا کیا عنایات ہوئی ہیں اور وہ مجھے کس طرح چلا رہا ہے اور مجھے کیا کیا بشارات دی ہیں جو بیان سے باہر ہیں۔ بظاہر کام کاج کا ابھی کچھ بندوبست نہیں ہوا ہے مگر ہر چیز کا وقت مقرر ہے اور انشاء اللہ سب کچھ اپنے وقت پر پورا ہوگا۔ یہ سب باتیں تو انشاء اللہ جب اللہ مجھے اپنے بچھڑے ہوؤں سے ملائے گا کروں گا۔ اللہ پر بھروسہ رکھو وہ ہم لوگوں کو ضائع نہیں کریگا اور اس درمیان میں بھی رزق عجیب عجیب طریقہ سے عطا کرے گا۔ کیا تم کو کبھی گمان

بھی تھا کہ تمہارا باپ ایسے موقعہ پر پہنچ جائے گا اور خرچ دے گا۔ پھر یہ کہ ان کی شرط تھی کہ مَیں طلاق دے دوں اور علیحدگی اختیار کرلوں تب وہ کریں گے مگر مَیں نے بہت بے دردی سے ان کی شرط کو ٹھکرایا اس کے باوجود وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ بمبئی جانا چاہتے ہیں مگر اللہ کا حکم ہے کہ نہیں جا سکتے۔ ان کو کس طرح باندھ رکھا ہے۔ یہ سب کچھ کیا تم کو نظر نہیں آتا۔ کیا اس کی تہ میں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ نہیں نظر آتا مگر ہاں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس یہ امر فیصل شدہ ہے کہ مَیں اور وہ ایک جگہ نہیں رہ سکتے۔ شاید مَیں آؤں جب ہی وہ جا سکیں۔ لہٰذا اللہ سے اپنا تعلق قائم رکھو اور اس رسّی کو خوب مضبوط پکڑو۔ کسی انسان پر بھروسہ نہ رکھو بلکہ اسی رازق العباد سے معاملہ رکھو۔

غریب الوطن عبدالستار

از بمبئی المورخہ ۲۷ جولائی ۳۷ء

میرے محترم بزرگ

مَیں نے اپنا ذاتی فیصلہ قادیان سے آپ کو لکھ دیا اور وہ آپ کو پہنچ چکا ہے اس کے بعد سے برابر گھر کے خطوط سے آپ لوگوں کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے اور اس کے بعد میرے حالات بھی مَیں برابر لکھتا رہا ہوں جو آپ کو گھر سے معلوم ہوتے رہے ہوں گے۔ آج خصوصاً آپ کو مخاطب کرنے کی جو ضرورت مجھے پیش آئی ہے وہ نہایت اہم اور بہت ضروری ہے جو مَیں ذیل میں بیان کر رہا ہوں اور اس کے لئے مَیں آپ سے بہت ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ مہربانی فرما کر اس خط کو اوّل سے آخر تک پوری طرح آہستگی اور اطمینان کے ساتھ پڑھیئے اور اس پر پوری طرح ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اور خوب غور کیجئے اور چونکہ یہ معاملہ ایک پورے خاندان پر اثر انداز ہے اس لئے خوب سوچ

سمجھ کر قدم اٹھانا مناسب ہوگا اور وہ حسب ذیل ہے۔

میں جیسا کہ آپ جانتے ہیں روزگار کی تلاش میں سرگرداں ہوں اور اب تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے اور اب اس ہی مقصد سے میں سکندر آباد جا رہا ہوں۔ شاید اللہ تعالیٰ وہاں کوئی صورت پیدا کر دے یا پھر اس کے بعد جہاں کہیں بھی کوئی امید ہوگی اس کی کوشش کروں گا مگر میرا کام ہو یا نہ ہو چونکہ میرے بیوی بچے کلکتہ میں ہیں مجھے کلکتہ آنا ہوگا۔ یہ تو میں ابھی نہیں کہہ سکتا کہ کب آنا ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اگر زندہ رکھا تو بہر حال آنا ہوگا۔ آپ اس وقت کلکتہ میں ہیں اور بچوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ کی صحت کے متعلق مجھے برابر خبریں ملتی رہتی ہیں اور میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفاءِ کلی عطا کرے اس کے علاوہ آپ کی ضعیفی کا لحاظ کرتے ہوئے یہ ضروری اور نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ اب کلکتہ میں ہی بچوں کے پاس بیٹھیں اور ضرورت ہے اور وقت ہے کہ آپ کی خدمت کی جائے مگر جو گفتگو آپ سے لکھنؤ میں ہوئی تھی اس کو جب سوچتا ہوں تو میری روح کو بہت صدمہ پہنچتا ہے کہ سالہا سال کی غلط فہمی اور اختلاف کے بعد جب یہ وقت آیا کہ صلح و صفائی کے بعد ہم کو آپ بزرگ کی خدمت کا موقعہ ملے تو اس وقت ایک نئی غلط فہمی پیدا ہوگئی جس کا نتیجہ آپ کے لکھنؤ کے بیان کے مطابق یہ ہونا ہے کہ میرے آنے پر آپ وہاں سے علیحدہ ہو جائیں گے یہ بہت ہی افسوسناک اور حسرت آمیز بات ہے کہ جب ہم لوگوں میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے پھر بھی صرف دوسروں کی غلط فہمی یا چند مولویوں کے فتوے ہمیں زبردستی دور کر دیں یہ واقعی بہت افسوسناک واقعہ ہوگا۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے معاملات ہوتے ہیں جو کچھ دن کے شور و شر کے بعد ختم ہو جاتے ہیں پھر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ علاوہ اس کے جو مقصد اس شور و شر کا تھا کہ مجھے اس طریقہ سے اپنی راہ سے ہٹا دیا جائے

وہ آپ جانتے ہیں کہ پورا نہیں ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ دوسری بات یہ کہ مجھے مولویوں کے فتووں کی بنا پر اپنی بیوی بچوں سے علیحدہ ہو جانے کی کوشش بھی پوری نہیں ہوئی اور نہ دنیا کی کوئی قوت مجھے علیحدہ کر سکتی ہے سوائے موت کے۔ یا پھر اگر اللہ تعالیٰ ایسا چاہے اور وہ کچھ اور اسباب پیدا کر کے ہم کو علیحدہ کر دے پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اور مَیں ایک جگہ نہ رہ سکیں یا آپ اپنے بچوں کے پاس نہ رہ سکیں یا ان سے اپنی خدمت جو آپ کا حق ہے نہ لے سکیں۔ مَیں آپ اور بچے سب اس کی وجہ سے تکلیف اٹھائیں اور فتویٰ دینے والے مولوی اور مخالفت کرنے والے سب اپنے اپنے گھر خوش رہیں اور اس کی بنا صرف اور صرف غلط فہمی پر ہو۔ لہٰذا مَیں اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے چند باتیں لکھ رہا ہوں جس کو مہربانی کر کے اطمینان سے پڑھ لیں اور اس پر خوب غور و فکر کر لیں۔ آپ کو شاید یہ خیال ہوگا یہ طریقہ مَیں نے آپ کو تبلیغ کرنے کا نکالا ہے حاشا و کلّا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے۔ تبلیغ زبردستی نہیں ہوتی۔ آپ جب مجھے خوشی سے موقعہ دیں گے تو مَیں ضرور تبلیغ کروں گا اور اپنا نقطۂ نظر بتاؤں گا۔ مگر اس خط میں ہرگز یہ مقصود نہیں ہے بلکہ بدقسمتی سے ان مولویوں کی وجہ سے جو غلط فہمی ہے اس کو مَیں صرف حنفی سنت جماعت کے نقطۂ نظر سے صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں اس پر خدا کے لئے غور فرمائیے۔

آپ نے مجھ سے لکھنؤ میں فرمایا تھا کہ ہم لوگ مجبور ہیں علماء حنفی سنت والجماعت کے فیصلوں کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اس کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ سب سے پہلے تو یہ بات ہے کہ علماءِ حنفی سنت والجماعت سب کے سب اس پر متفق نہیں ہیں اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو کہا جائے گا کہ اگر یہی معیار حق و باطل کا ہو تو جو اس قدر فرقہ اسلام میں ہیں وہ سب کے سب اپنے علماء کے پیرو ہیں اور سب ہی اپنے آپ کو حق پر اور دوسرے کو غلط اور اکثروں کو کافر قرار دیتے ہیں تو پھر کیا

اپنے اپنے علماء کی پیروی کا نام حق ہے ؟ اگر یہی درست ہو پھر سب کے سب حق پر ہیں پھر یہ سر پھٹول کیوں ہے۔ اگر کہا جائے کہ ہم لوگوں کو یہی کرنا چاہیئے کہ جو جہاں پیدا ہوا ہے وہیں رہے تو پھر حق اور باطل کا کوئی معیار ہی نہیں رہتا۔ یہودی عیسائی ہندو سب کے سب اپنے اپنے علماء اور مشائخ کی پیروی کرتے ہیں یہ سب جہنم میں کیوں جائیں گے اور پھر رسالت نبوت وغیرہ سب ایک بیکار چیز ہے کیونکہ کوئی کسی کی نہ سنے۔ معیار ہے اور ضرور ہے اور ہمارے لئے تو ایک ہی معیار ہے اور وہ سب سے بہتر معیار ہے اور وہ ایک ہی معیار ہے کہ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ (النساء : ۶۰) کہ اگر تم میں کوئی تنازعہ ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو (نہ کہ علماء کی طرف) اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ملزم کرتا ہوا کہتا ہے کہ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (التوبہ : ۳۱) کہ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ارباب پکڑ رکھا ہے۔ اوپر غضب نازل کرنے کے وجوہات میں سے ایک یہ بھی وجہ بتائی ہے اور پھر ہم کو کہتا ہے لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَاب وہ بنی اسرائیل کے علماء ہی تھے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے خلاف کفر والحاد کے فتوے لکھے اور ان کو صلیب پر مار ڈالنے کی کوشش کی اور ان ہی کے فتاویٰ نے بنی اسرائیل کو حق سے روکا۔ اور پھر انہی یہود و نصاریٰ کے علماء کے فتووں پر چلنے والے رسولِ اکرم روحی فداہ پر ایمان لانے سے محروم رہ گئے۔ ایمان انہی کو نصیب ہوا جو ان فتاویٰ سے بھاگے اور اپنی قوم اور علماء کی طرف سے دُکھ اور سختی اٹھاتے رہے اور پھر اسلام کے اندر بھی یہی حضرات ہیں جنہوں نے اسلام کے بڑے بڑے بزرگانِ دین کو تکلیفیں دیں اور خوب خوب فتوے لکھے۔ اللہ کا حکم سن چکے اب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ان کے حق میں سن لیجئے۔ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ یُوْشِکُ

اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی عُلَمَاءُھُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ وَمِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَ فِیْھِمْ تَعُوْدُ (مشکوٰۃ کتاب العلم) فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ ایسا زمانہ انسانوں پر آئے گا کہ اسلام میں سے کچھ باقی نہیں رہے گا سوائے اس کے نام کے اور قرآن سے کچھ باقی نہیں رہے گا سوائے اسم کے ان کی مساجد آراستہ ہوں گی مگر ہدایت سے کوری۔ ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے انہیں سے فتنہ اٹھیں گے اور ان ہی میں واپس لوٹیں گے۔ غور کیجئے۔ کیا اس کا ایک ایک حرف پورا نہیں ہو رہا ہے کیا اس سید الانبیاء کی پیشینگوئی کا ایک حرف بھی غلط ہو سکتا ہے اس کے بعد اور سنیئے۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ زَمَانٌ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذَالِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی اِثْنَیْنِ وَ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً (ترمذی کتاب الایمان) فرمایا رسول اکرمؐ نے البتہ ضرور آئے گا میری امت پر زمانہ جس طرح بنی اسرائیل پر آیا کہ ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اگر اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا ہوگا جو ایسا کرے گا اور بنی اسرائیل کے ۷۲ فرقہ ہو گئے اور میری امت کے ۷۳ فرقہ ہو جائیں گے جن میں سے سوائے ایک کے باقی سب جہنمی ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ جنتی کی کیا علامت ہوگی اور اس کو کس طرح شناخت کیا جائے۔ قربان جائیے اس رسول عربی کے کتنا مختصر اور جامع جملہ کتنا صاف اور سیدھا فرمایا مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کہ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریق

پر ہو گا۔ ہر فرقہ کے علماء کہتے ہیں کہ ہم جنتی ہیں باقی سب جہنمی۔ تو اب پھر ہر شخص کا جس میں استطاعت ہو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو اور جس کے پاس ایمان کی کوئی قیمت بھی ہو اور جس کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے کا یقین بھی ہو فرض ہو جاتا ہے کہ وہ تلاش کرے کہ کیا صحیح ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ہم کو اتنا علم نہیں ہم نہیں جانتے کیسے تلاش کریں یہ بالکل غلط سمجھا یا سمجھایا گیا ہے۔ ہم کو جتنا علم اور جتنی عقل دی گئی ہے وہ کافی سے زیادہ ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ پر تہمت ہے کہ علم اور عقل اور استطاعت دی نہیں اور پھر جہنم میں ڈال کر عذاب دیتا ہے۔ البتہ وہ ان علماء کا مذہب ہے جو بہت پیچیدہ ہے اور جس کے چکر سے کوئی شخص قیامت تک نکل نہیں سکتا اور اس کا سارا دارومدار چند خود ساختہ عقائد اور اقوال الرجال پر ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے جو بہت صاف سیدھا اور آسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ دِیۡنًا قِیَمًا اور وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ اور اس کا رسول اَلدِّیۡنُ یُسۡرٌ کہتا ہے۔ یہ فرمان جھوٹے نہیں ہیں۔ کیا ہم لوگ اپنے دنیوی معاملات میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو اپنی نظر سے دیکھنے اور جانچنے پر اصرار نہیں کرتے کیا اپنے کاروباری معاملات میں چند پیسوں کا حساب بھی کسی کے صرف کہنے سننے پر چھوڑتے ہیں اور کیا کاروبار میں بڑی بڑی پیچیدگیاں نہیں سلجھاتے بڑی بڑی مشکلات حل نہیں کرتے اور اگر کوئی مقدمہ آپڑتا ہے تو رات دن اس کے پیچھے پڑ کر قانونی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور ہم کہیں اپنی بے بضاعتی اور کم سمجھی کا اقرار نہیں کرتے پھر کیا واقعی آپ کا نفس گواہی دیتا ہے کہ آپ کا یہ جواب اللہ تعالےٰ کے دربار میں چل جائے گا کہ ہم میں علم اور استطاعت نہیں تھی۔ ہمارے اس جواب کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں پہلے سے دے رکھا ہے کہ نہیں بلکہ تم سرکش اور باغی تھے اور ہم سے ملنے کا تمہیں یقین نہیں تھا۔ اے کاش کہ اس کا

کلام جزدانوں سے نکل کر ہمارے سینوں میں داخل ہو جاتا۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل کے لحاظ سے یہ ٹھیکہ ان کا ہے۔ بے شک مگر یہ ان ہی عُلماء کا ذکر ہے جن کو بنی اسرائیل کی طرح تکالیف دی گئیں۔ کسی کو گالی دی گئی، کسی کو قتل کیا گیا۔ کسی کو قید کیا گیا۔ کسی کی مشکیں کسی گئیں اور کسی کی اونٹ پر تشہیر کی گئی۔ کسی پر کفر و الحاد کے فتوے لگائے گئے اس طرح انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ پوری مشابہت ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔ نہ کہ یہ خود ساختہ حشرات الارض ع بر عکس نہند نام زنگی کافور۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے صریح اور صاف حکم وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَکَانُوْا شِیَعًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ (روم : ۳۳) یعنی تم ہرگز اُن مشرکین کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ایک ایک ٹکڑے کے طرفدار ہو گئے اور ہر ایک فرقہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر شاداں ہے۔ اس حکم کے ٹھیک ضد ہیں۔ ٹھیک اسی طرح دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور اب صرف کفر کے فتوے اور لوگوں کے بیویوں پر طلاق نامے لئے پھرتے ہیں۔ کیا یہی لوگ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ ہیں فَتَدَبَّرُوْا یَا اُولِی الْاَلْبَاب۔

آپ نے لکھنؤ میں فرمایا تھا کہ قرآن مجمل ہے اور حدیثیں اس کی تفصیل ہیں بے شک یہی کچھ سمجھا کر قرآن کریم کو جزدانوں میں بند کرا دیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک ؐ کی زبان سے قرآن کریم میں کہلاتا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (الفرقان : ۳۱) اب ذرا غور فرمائیے کہ ان دو میں سے کون سچا ہے۔ اللہ رب العالمین یا یہ علماء یہود صفت؟ وَکُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰہُ تَفْصِیْلًا۔ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا وَّھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ

الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (الانعام: ۱۱۵) الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (هود: ۲) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (حم: ۴) بتائیے کس کو سچا کہیں اور کس کو جھوٹا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ بہت مبین بھی ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (النحل: ۹۰) اور پھر یہ تفصیل اور تبیان کس کے لئے ہیں۔ کیا علماء کے لئے۔ یاد رہے کہ لِلْمُسْلِمِيْنَ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی اور مطالب بہت پیچیدہ ہیں بغیر حدیث بغیر تفسیر اور بغیر اقوال الرجال کے سمجھ نہیں سکتے۔ اب سنیئے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر: ۲۳) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ (الکہف: ۲) قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (الزمر: ۲۹) ہم کس کی بات مانیں۔ اللہ واحد القہار کی یا علماء شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاء کی جن کی ہر بات اللہ کے صریح حکم کے خلاف ہے اور پھر وہ کس کی پیروی کا حکم دیتا ہے اور کس کی پیروی سے منع کرتا ہے۔ سنیئے کس کی پیروی کا حکم ہے۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الانعام: ۱۵۶) وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الانعام: ۱۵۴) کیا یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ نہیں۔ اس کو چھوڑ کر تفریق ہوئی یا نہیں اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (البقرہ: ۱۲۲) تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ: ۷) اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (الانعام: ۱۱۵) اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (ق: ۳۸) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (النساء: ۱۷۵، ۱۷۶) كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (ص: ۳۰) اس کے برخلاف بزعم خود یہ سوال پیش کر دیا جاتا ہے کہ پانچ وقت کی نماز کی تفصیل اس میں کہاں ہے۔ تفصیل وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ تفصیل کہتا ہے اور یہ جسے تفصیل کہتے ہیں وہ تفصیل نہیں بلکہ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ہے۔ یہ سوال دراصل دھوکہ دینے کو کیا جاتا ہے ورنہ ہر ایک نماز فرائض سنن نوافل سب کچھ اس کے اندر ہے اور یہ سوال جو کرتے ہیں اس کا تعلق لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ سے ہے جو تواتر اور سنت سے ثابت ہے۔ حدیثیں دراصل شارح ہیں نہ کہ تفصیل اور اطیعوا الرسول کے ماتحت صحیح حدیث جہاں بھی ملے قابل عمل ہے مگر یہ بھی یاد رہے کہ حدیثوں کا مالک یہ بھی کہہ گیا ہے کہ میری کوئی حدیث قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتی اور اگر ایسی ہو تو وہ میری نہیں ردّ اور باطل ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ حدیثیں ڈیڑھ سو برس کے بعد جمع کی گئیں ہیں۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ لاکھوں حدیثیں وضع کی گئی تھیں جن میں سے بہت کچھ انسانی کوششوں نے چھان بین کر کے چھانٹی ہیں مگر پھر بھی وہ قرآن کریم پر حَکم نہیں ہو سکتیں جس کی حفاظت کا وعدہ قیامت تک کیلئے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے مگر حدیثوں کی حفاظت کا وعدہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے نہ اس کے رسول نے۔ ہاں البتہ چند جھوٹی سچی حدیثوں پر یہ سر پھٹول اور فرقہ بندی ہے جس سے منع کیا گیا تھا۔ اب جن کی پیروی کی مجبوری آپ بتاتے ہیں اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم سن لیجئے۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ

لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّؤُا مِنَّا (البقرہ: ۱۶۷، ۱۶۸) اور یہ مولوی آپ کو جواب دیں گے قیامت کے روز قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ (الصّٰفّٰت: ۳۰، ۳۳)

غضب خدا کا اللہ اور اس کا رسول تو یہ کہے کہ اس کو پڑھو اس کو سمجھو اس پر تدبر کرو۔ اسے ہر وقت پڑھو۔ صبح پڑھو شام پڑھو فجر پڑھو۔ ہر نماز میں ایک حصہ قرآن کا پڑھنا لازم کر دیا ہے۔ یہی تم کو تفرقہ سے بچائے گی۔ یہی تم کو گمراہی سے بچائے گی۔ اسی کو پکڑے رہو تو صراطِ مستقیم پاؤ گے، ہدایت پاؤ گے اس کی رحمت اور فضل پاؤ گے اور اس کے خلاف یہ علماء فرماویں کہ ہرگز نہیں یہ برہمنوں کی طرح ہمارا ٹھیکہ ہے۔ تم پڑھو نہیں سمجھو نہیں دیکھو نہیں۔ پڑھو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور ایسے ہی علماء شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (البقرہ: ۱۶۰) کاش ایک ہی مرتبہ آپ اس کو جانچنے کے واسطے شروع سے آخر تک تدبر سے پڑھ جاتے تو سب کچھ معلوم ہو جاتا کہ اللہ کیا حکم دیتا ہے۔ یہ کیا کہتے ہیں اور یہ جو فرضی خیالات ہم نے بنا رکھے ہیں کہ علماء کے فیصلہ سے ہم محفوظ ہو گئے ہیں یا نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالےٰ کے مخاطب کون ہیں؟ ہم آپ یا یہ علماء؟ سارے قرآن میں یا تو یہ ہے کہ يَآ اَيُّهَا النَّبِىُّ۔ يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ۔ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ۔ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ اور يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہیں ایک جگہ بھی یہ نہیں کہ يَآ اَيُّهَا الْعُلَمَاءُ بلکہ وہ تو ہم کو یہ کہتا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد: ۹، ۱۱) کیا ہم نے اسے دو آنکھیں نہیں دی تھیں اور زبان اور دو ہونٹ اور پھر

افراط و تفریط کے دونوں رخ نہیں بتا دیئے تھے۔ اب خوب غور کر کے یہ بتایئے کہ ہم لوگوں کو اس باجبروت عدالت میں یہ جواب بن پڑے گا کہ ہم علماء کی پیروی کرتے تھے اور وہ یہ فتویٰ دیتے تھے؟ اور کیا ہم اس جواب سے چھوٹ جائیں گے؟ کیا وہ نہیں پوچھے گا کہ ہم نے تم کو کیا حکم دیا تھا؟ اس وقت ہماری جو حالت ہوگی اور حسرت سے جو کچھ کہیں گے اس کا کتنا عمدہ نقشہ وہ عالم الغیب بیان کرتا ہے یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا۔ (الاحزاب: ۶۷و۶۸) کہ جب ان کے چہرے آگ کی طرف پھیرے جائیں گے تو کہیں گے اے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ افسوس ہم نے اپنے سرداروں کی اور بڑوں کی اطاعت کی جنہوں نے ہم کو راستہ سے بھٹکا دیا۔ پھر یہ بھی سوچ لیجئے کہ میرے ساتھ جو کچھ کیا گیا اور جو کچھ کر رہے ہیں اس کو عقل سلیم بھی جائز رکھتی ہے اور یہ سب کس گناہ کی سزا ہیں کہ مَیں کہتا ہوں کہ اللہ ایک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیّین ہیں۔ قرآن اللہ کا زندہ کلام ہے سنت پر عمل ہے۔ صحیح حدیثیں قابلِ عمل ہیں اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ میں سے ہر ہر لفظ پر ایمان ہے حسب قوّت عمل بھی ہے۔ حنفی سنت جماعت علماء سے پوچھئے کہ کیا اس سے زیادہ کسی کو مجھ سے پوچھنے کا حق بھی ہے؟ احمدیت نہ تو اسلام اور صحیح اسلام کے سوا کوئی مذہب ہے نہ تو مَیں نے تبدیل مذہب کیا ہے نہ مَیں نے کسی چیز کا کفر کیا ہے نہ ارتداد کیا ہے۔

مَیں الحمد للہ مومن ہوں۔ مسلم ہوں اور مَیں نے امر بالمعروف کی بیعت کی ہے۔ سنیئے اللہ تعالیٰ مسلمان کس کو کہتا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء: ۹۵) اور پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سنیئے کہ جو تمہاری طرح تمہارے

قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے وہ مسلمان ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَھُوَ مُسْلِمٌ اور پھر حدیث صحیح ہے کہ جس کو تم کافر کہو گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں کافر نہ ہوا تو کہنے والا یقیناً کافر ہوگا۔ افسوس اور صد ہزار افسوس ہے کہ مولویوں کے چکر میں آپ جیسا سمجھ دار آدمی پڑ جائے اور کہے کہ ہاں طلاق ہوگئی۔ ذرا ان مولوی صاحبان سے یہ تو پوچھیئے کہ جس کتاب سے آپ طلاق کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں اسی کتاب سے کیا تارک الصلوٰۃ کی بیوی پر طلاق نہیں ہو جاتی۔ پھر صرف ہماری ہی قوم میں کتنے ہیں جن کی بیویاں نکاح میں قائم ہیں؟ برائے خدا جو قویٰ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کئے ہیں ان سے کام لیجئے اور سوچیئے کہ کدھر جا رہے ہیں؟ اللہ اور اس کے رسول کے چودہ سو برس کی پیشین گوئیوں کو نیک نیتی سے جانچنے پرکھنے اور خوب تحقیق کرنے کے بعد مَیں نے اگر ان کے دعووں کو صحیح تسلیم کیا جس میں مجھے تو ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی شک نہیں مگر بفرضِ محال اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے تو پھر یہ ایک اجتہادی غلطی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ مگر ان غریب مولویوں کے پاس ہے ہی کیا سوائے کفر اور الحاد اور طلاق کے فتووں کے اور ان بے چاروں کا مبلغ علم ہی سوچیئے کہ نہ ان کو توراۃ کا علم ہے نہ انجیل کا نہ تاریخِ عالم سے کچھ تعلق ہے نہ تاریخ اسلام سے۔ نہ قرآن سے کچھ تعلق ہے بلکہ قرآن سے تو ایسے بھاگتے ہیں جیسے شیطان لاحول سے۔ ہاں اختلافی حدیثیں اور اقوال الرجال سر پھٹول کے لئے پڑھایا جاتا ہے اور آٹھ سو برس پہلے کی بوسیدہ یونانی منطق اور فلاسفی جس میں لکھا ہے کہ زمین چٹائی کی طرح بچھی ہوئی ہے اور ستارے آسمان میں قندیل کی طرح لٹک رہے ہیں اس کے خلاف جو کہے وہ کافر اور پھر یہ مولوی کس قسم کے لوگ ہیں یہ بھی سن لیجئے کہ دنیا میں جو لڑکا کسی مصرف کا نہ ہو جس میں پانچ روپیہ بھی مزدوری کمانے کی قابلیت نہ ہو وہ ہندوستان کا

کسی مسجد کے حجرہ میں بند کر دیا جائے اور سات برس تک فَعَلاً فَعَلُوْا فَعَلْتُمْ فَعَلْنَا کرنے کے بعد چند اخلاقی حدیثیں اور اقوال الرجال لے کر اس بھو کی فوج کے اندر ایک کا اضافہ کر دے۔ مجھے افسوس ہے کہ بے جا طوالت سے آپ کو تکلیف دے رہا ہوں مگر میں مجبور ہوں کہ آپ کو پہلی اور آخری مرتبہ جو کچھ کہنا ہے کہہ دوں تاکہ کوئی غلط قدم اٹھانے سے پہلے آپ اس کے ہر پہلو پر غور و فکر کرلیں تاکہ بعد میں اس کا افسوس نہ رہے اور کاش یہ بات آپ کی سمجھ میں آجائے اور ان کے فتوے لپیٹ کر ان کے حوالہ کر دیں اور ہم لوگوں کے گھر کا امن چین قائم رہے۔

آپ نے لکھنؤ میں فرمایا تھا کہ تمہاری ذات کے ساتھ کسی کو دشمنی نہیں ہے بلکہ اس فتنہ کو روکنا ہے۔ مجھے یہ بالکل تسلیم ہے کہ میری ذات سے کسی کو دشمنی نہیں ہے مگر جس چیز کو روکنے کی ساٹھ برس سے ساری دنیا کوششیں کر چکی ہے وہ نہیں رکا' بڑھ رہا ہے اور دنیا کے ہر ہر گوشہ میں پہنچ گیا اس میں آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور کس چیز کو روکنے کی جس کے متعلق آپ کچھ جاننے کا دعویٰ نہیں کرتے نہ کچھ سننا چاہتے ہیں۔ علماء کے فتوؤں پر دارو مدار ہے۔ بہت اچھا آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ مگر کم از کم یہ تو سوچ لیجئے کہ غلط فہمی کی وجہ سے آپ اللہ کے راستہ کو تو نہیں روک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کرنے میں آپ ان مولویوں کے ہتھیار تو نہیں بن گئے ہیں جس میں کامیابی تو ہونی نہیں مگر جو پڑے سخت مؤاخذہ کا باعث ہوگا۔ یاد رہے کہ خاموش رہنا دوسری بات ہے اور ڈائریکٹ مخالفت چیزے دیگر اور یہ بہت ہی خطرناک منزل ہے۔ پھر علاوہ اس کے یہ کہ ہماری قوم میں اس کی روک تھام وہ بھی ہوتی نہیں۔ آپ بائیکاٹ کر چکے اس کے بعد بھی میں جہاں ہوں یہی کر رہا ہوں اور جہاں ہوں گا یہی کروں گا حق بات کہنے سے مجھے کوئی دنیا کی قوّت روک نہیں سکتی اس کا تجربہ ہو چکا اور اگر اَدر بھی کچھ تجربہ

کرنا ہو تو کرلیں۔ نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ مَیں وہاں سے رزق کی تلاش میں نکل آیا ورنہ کیا آپ کا خیال ہے کہ میرا ملنا ملانا بند کیا جا سکے گا؟ کیا میرا رزق بند کیا جا سکے گا۔ ہاں اپنے اپنے اعمال ہیں جس کو بائیں طرف جتنا اضافہ کرنا ہو کر سکے گا۔

علماء نے مرزا صاحب پر کفر کے فتوے ان کے دعاوی کی وجہ سے لگائے اور اُن کی بیعت سے میں کافر اور مرتد ہو گیا مگر برائے خدا اپنے علماء سے یہ بھی تو پوچھئے کہ اے اللہ کے بندو معاذاللہ وہ کافر اس قدر غلط دعویٰ کر کے ہم کو کہتا کیا جا رہا ہے یہی نا کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ اور اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق کہ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ اور تمام انبیاء کی سنت کے مطابق فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ اور پھر ساری دنیا کی تمام قوموں کو قرآنِ کریم کی طرف اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی طرف دعوت دے رہا ہے یا کچھ اَور مسلمان اور علماء کو یہ کہتا ہے کہ یہ ٹھگائی کا دھندا چھوڑ دو اور قرآن کی طرف آؤ یا کچھ اَور ہ گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم اس پر بھی مَیں آپ کو اپنے عقیدہ پر نہیں بلاتا۔ اگر آپ کی سمجھ میں نہیں آتا نہ سہی مگر کم از کم آپ اپنے آپ کو ان خطرناک ذمہ داریوں سے علیحدہ کر لیجئے تاکہ اگر کہیں حق دوسری طرف ہو تو بڑے سخت مؤاخذہ سے آپ بچ جائیں۔ مَیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس خط کے لکھنے کا کوئی مقصد سوائے اس کے نہیں کہ اس قسم کی غلط فہمی کی وجہ سے میرے آنے سے آپ گھر چھوڑ جاویں اور اس ضعیفی اور خرابیٔ صحت کے وقت آپ بھی تکلیف میں پڑیں اور ہم کو بھی بہت حسرت و افسوس ہو اور ایسے وقت میں ہم لوگ خدمت سے محروم رہیں۔ ورنہ ہرگز ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ خدانخواستہ میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی نرمی کی جائے یا مَیں سوشل بائیکاٹ سے ڈرتا ہوں یا اس کا خیال ہے کہ کوئی

ہم کو روزی دے سکے گا بلکہ یہ سب معاملات اللہ کے حوالہ ہیں۔ میری عمر پچاس سال کے قریب ہوئی۔ اس درمیان میں ایک روز بھی اس نے بھوکا نہیں رکھا تو اب بھی نہیں رکھے گا ہاں کم بیش یہ اس کے اختیار میں ہے۔ جماعت میں سے مجھے خارج نہیں کر سکتا قبرستان کا میرا حق کوئی چھین نہیں۔ رہی نماز جنازہ وہ اس مٹی کے ڈھیر کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں یہ وہ لوگ اللہ کے پاس ذمہ دار ہوں گے۔ بچوں کی قسمت کوئی بنا نہیں سکتا۔ صرف یہ غرض ہے کہ ان مولویوں کے چکر میں ہم اپنے آپ کو تباہ نہ کریں۔ پہلے سے خط لکھنے کا یہ مقصد ہے کہ آپ کو کافی وقت غور و فکر کا ہے اور آپ سوچ سمجھ کر اس کے متعلق فیصلہ کریں۔ مَیں آپ کو علی وجہ البصیرۃ پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ حنفی سنت والجماعت کے لحاظ سے بھی کوئی طلاق وغیرہ نہیں ہوتی پورا اطمینان رکھیئے۔ نہ امام ابوحنیفہ کو اس سے کوئی تعلق ہے نہ سنتِ رسول یہ ہے نہ اجماعِ اُمت ہے کچھ بھی نہیں ہے۔

من از تحقیق می گفتم تو خود ہم فکر کن بارے۔ خرد از بہر امروز است اے دانا و ہشیارے

دعا گو

عبدالستار

اس اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دعاؤں کا ثمر ہمارا بھائی محمود العارف یکم جنوری ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوا۔ ہم بہت خوش تھے۔ مجھے یاد ہے میری امی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ بابا نے مجھے بلایا اور کہا "رفیعہ بیٹا یہ سونے کی چوڑی جو تمہارے ہاتھ میں ہے آج مجھے دے دو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین چیز دے۔" ریحانہ میری گود میں تھی۔ مَیں نے ریحانہ کو اتارا اور چوڑی اتار کر بابا جان کو دے دی۔ مَیں خوش تھی کہ امی کی دوا علاج کا کچھ ہو سکے گا۔

انہیں دنوں مجھے سخاوت سکول میں داخل کروا دیا گیا۔ گھر میں پڑھائی کروا کر چوتھی میں داخل کیا تھا۔ ہمارے گھر کے حالات ایسے نہ تھے کہ پڑھائی کا خرچ چل سکے۔ اس کے لئے میرے چھوٹے سے دماغ نے ایک ترکیب سوچی۔ میں اپنے پاس ربڑ، پنسل، رُولر وغیرہ زائد رکھتی۔ سب کو علم ہوتا گیا۔ جس کو ضرورت پڑتی۔ مجھ سے خرید لیتا۔ اس طرح کچھ نہ کچھ پیسے میرے پاس جمع ہوجاتے جس سے فیس دیتی۔ بابا کی دواؤں کے لئے اب کچھ نہ بچا تھا۔ نانا بھی شدید بیمار تھے۔ نانا کی طبیعت شدید خراب ہوگئی تو بابا سے کہا مجھے کلمہ پڑھواؤ اور کلمہ پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ نانا وہ شخص تھے جو بیٹی کو طلاق دلوانے پر بضد تھے کہ ہم اس کی اور بچیوں کی خود کفالت کریں گے۔ ہمارے بابا اور امّی کو خدمت کا موقعہ دے کر رخصت ہوگئے۔ ہادی ماموں، ان کے خالو اور خسر محمد الیاس صاحب میمن جماعت میں بڑے مقبول اور تعلیم یافتہ تھے اور اس لحاظ سے بھی منفرد تھے کہ ہماری مخالفت نہیں کی تھی۔ ہادی ماموں نے غیر احمدیوں کے دستور کے مطابق ہمارے گھر میں ہی چالیسویں کا انتظام کیا۔ جس میں برادری والوں کو آنا پڑا۔ خالہ کی بڑی بیٹی رابعہ یونس عثمان سیٹھ کے بھتیجے عبدالکریم سے بیاہی ہوئی تھی جو بہت مخالف تھے مگر رابعہ اس وقت بھی نہیں آئیں۔ صرف یونس عثمان اور عبدالکریم صاحب برادری کے ساتھ آئے۔ وہ بھی عورتوں کی طرف نہیں آئے۔ الیاس صاحب کے بیٹے نوری صاحب سے بابا کے ان کی علم دوستی کی وجہ سے اچھے مراسم تھے۔ ان کی بیٹیاں اچھی صفات کی مالک تھیں اور بڑا پیار کرتی تھیں۔

بابا کی بیماری اور تنگدستی دونوں میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ یونس عثمان صاحب نے پھر ایک کوشش کی۔ اپنی پرانی ملازمہ کے ہاتھ ایک کتاب بھیجی جو کسی جرمن ڈاکٹر کی لکھی ہوئی تھی وہ اس وقت کلکتہ آیا ہوا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ انگور

کے انجیکشن کے ساتھ شرطیہ علاج کر سکتا ہے۔ صحت یاب ہونے پر دس ہزار روپے ادا کریں۔ بابا نے خوش اسلوبی سے منع کر دیا۔ سوچا کہ جب خود علاج کروانے کے قابل نہیں ہوں تو کیا فائدہ کسی کا احسان لوں۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے۔ بابا کو خود یہ اندازہ تھا کہ وہ زیادہ نہیں جی سکیں گے۔ عارف کو گلے لگاتے، بہت پیار کرتے۔ امّی سے کہتے۔ رقیہ اس کا بہت خیال رکھنا۔ ایک دن امی کو پرانے کاغذات میں سے کچھ ایسے کاغذات ملے جن میں بابا سے بہنوں کے کچھ قرضہ لینے کا تحریری ثبوت تھا۔ امّی نے کہا کیوں نہ ہم اس ضرورت کے وقت ان سے تقاضا کریں۔ بابا نے کاغذ ہاتھ میں لے کر دیکھا اور فوراً پھاڑ دیا۔ امّی سے کہا قرض واپس تو ملے گا نہیں۔ اپنا ثواب کیوں ضائع کروں۔ بابا انتہائی مجبوری میں خدا کے آگے ہی جھکتے تھے اور اسی سے اپنی ہر فریاد اور ہر دکھ بیان کرتے۔ ایک دن امی جان مجھے ساتھ لے کر خاندان کے ایک بہی خواہ ڈاکٹر ظفر صاحب کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ ہی آکر کوئی انجیکشن وغیرہ دیں۔ ڈاکٹر صاحب زار و قطار رونے لگے اور کہا "اب مَیں کیا کروں گا جا کر۔ مَیں اپنے دوست کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" ہم بہت ہی مایوسی کی حالت میں دعائیں پڑھتے ہوئے واپس آرہے تھے۔ ابھی سیڑھی نہ چڑھے تھے کہ ایک مانوس سی شخصیت ہاتھ میں ڈاکٹری بیگ لئے نظر آئی۔ جان پہچان تھی۔ وہ کبھی فیملی ڈاکٹر رہے تھے۔ پھر لندن سے اعلیٰ تعلیم لے کر واپس آئے تھے۔ اس نے پوچھا "مسز ستار! آپ یہاں کہاں؟" اس نے ہمارے اچھے زمانے دیکھے تھے۔ اس طرح پوچھنے پر امّی جان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بابا کی بیماری کی بابت بتایا۔ وہ بڑی خوش اخلاقی سے بغیر فیس لئے بابا کو دیکھنے کے لئے آنے لگے۔ ایک دن ایسا بھی آیا کہ امّی کے پاس صرف ایک چونّی تھی۔ اور باجی عائشہ کے سسرال والے بھی آگئے۔ اس سے کسی نہ کسی طرح اُن

کی خاطر تواضع کر کے بیٹھی تھیں اور مہمان ابھی گھر پر ہی تھے کہ کوئی صاحب بابا سے ملنے کے لئے آئے۔ ان کے جانے کے بعد بابا نے ہمیں بلایا اور نوٹوں کی بارش سی کر کے گلوگیر آواز میں بتایا کہ پرانے مالک کا بیٹا آیا تھا کہ حکومت نے انکم ٹیکس کا کچھ روپیہ لوٹایا تھا وہ کافی عرصے سے ان کے پاس پڑا تھا۔ بابا جان نے کہا تھا خدا کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہوتا۔ ہم کمزور بندے ہیں مگر وہ پیارا خدا اپنا پیار بڑھانے کی خاطر ہمارا صبر آزماتا ہے تاکہ ہم زیادہ جھکیں۔ پھر زیادہ لطف اندوز ہوں۔ یہ ہمارے لئے خدا تعالیٰ نے اس وقت تک روکے رکھا جب آخری چونی بھی ختم ہو گئی۔ یہ جہان تو فانی ہے۔ مخمل کے گدے پر سوئیں یا ٹاٹ پر نیند تو سب کو آئے گی۔ سورج بھی سب کے لئے ایک ہی زاویہ سے طلوع ہو گا۔ بادشاہ ہو یا گداگر۔ مسیح موعود کو ماننے والوں کی تربیت کے سامان ہوتے رہتے ہیں۔ شکر ہے اس قادر و توانا کا کہ ہم مسیح کی جماعت میں ہیں۔ اے خدا! تو ہمیشہ ہم پر کرم کی نگاہ رکھنا۔

جب یہ رقم غیب سے آئی۔ بابا مقروض تھے۔ بابا نے قرض ادا کر دیا اور کچھ ضروری اخراجات کئے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی۔ بابا اس کے بعد دو ماہ زندہ رہے اللہ تعالیٰ انہیں مقروض نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ بابا بے حد کمزور ہو گئے۔ امی جان نے جی جان سے خدمت کی۔ ایک دن روشنی گل تھی۔ امی جان بابا کی پائنتی پر لیٹی تھیں کہ بابا نے زور سے وعلیکم السلام کہا۔ کوئی آیا تھا نہ گیا۔ امی نے اُسے خواب سمجھا۔ بابا جان نے بتایا کہ کمرے کے دروازے پر ایک پُر نُور سفید ریش شخص نے آکر مجھے سلام کہا اور مَیں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ اس بزرگ شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور میرے قریب بستر پر آکر بیٹھ گئے مَیں نے معذرت کے ساتھ پوچھا کہ مَیں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ کہا "میں وہ شخص ہوں جو صالح محمد داؤد کی وفات سے تین روز پیشتر آیا تھا۔" یہ خواب سنا کر امی سے کہا۔ رقیہ ایسا لگتا

ہے ہمارے اب تین روز باقی ہیں ۔ اس سے تیسرے دن احمدی احباب سلیم صاحب اور شمس الدین صاحب عیادت کے لئے تشریف لائے تو باباجان نے اپنا کشف سنایا اور بہت دعائیں پڑھیں ۔ وہ آمین کہتے رہے ۔ پھر ڈاکٹر سرکار نے انجیکشن لگایا جو جسم نے قبول نہ کیا ۔

جس دن بابا فوت ہوئے مَیں سکول نہ جاسکی ۔ دِل کی کیفیّت عجیب تھی ۔ باجی عائشہ کا خیریت معلوم کرنے کے لئے فون آیا تو بابا نے کہلا دیا ۔ میری فکر نہ کرو ۔ اپنے سسرال والوں کی خاطر تواضع کرو ۔ دوپہر کے کھانے کا وقت آیا تو ہمیں زبردستی کھانے کیلئے بھیج دیا ۔ دعائیں دیتے رہے صبر کی تلقین کرتے رہے ۔ ہم دستر خوان پر تھے جب آپا رابعہ پہلے اٹھ کر باباجان کے پاس پہنچیں تو وہ آخری سانس لے رہے تھے ۔ مَیں گیارہ سال کی تھی ۔ بے اختیاری میں مُنہ سے نکلا ۔ "بابا ۔ بابا ہم یتیم ہوگئے" پلٹ کر میری طرف دیکھا ۔ امّی نے نبض پر ہاتھ رکھا ہوا تھا ۔ سب ارد گرد جمع تھے ۔ تھوڑا آبِ زمزم پلایا گیا ۔ اللہ کا بلاوا اپنے صابر شاکر بہادر بندے کیلئے آچکا تھا ۔ ریحانہ معصوم حیران ہو ہو کر پوچھ رہی تھی میرے باباجان کو کیا ہوگیا ہے اسے کیا خبر تھی کہ بابا جس سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اس نے اپنے پاس بُلا لیا ہے ۔ وہ پوری وفا کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے ۔ ہم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ پڑھا اور ان کے اُوپر چادر ڈال دی ۔ یہ سانحہ ۱۳ فروری ۱۹۳۹ء مطابق ۲۲ ۔ ذوالحجہ ۱۳۵۱ھ بروز دوشنبہ دوپہر کے ڈیڑھ بجے پیش آیا ۔

چند لحظوں کے لئے میں نے سوچا یہ عظیم شخص جس کو الوداع کہنے کے لئے صرف اس کی بیوی بچے ، ایک بہن اور پڑوسی ملول کھڑے ہیں کبھی دنیا کے سفر پر جاتے تو جہاز کے ڈیک پر آدھا حصہ ان کے چاہنے والوں کا ہوتا تھا ۔ گرم جوشی سے اَلوداع

کہتے مگر احمدیت کے راستے پر چلنے والے کا ساتھ نہ دیا۔

بابا نے پڑوسیوں کو احمدی جماعت کے لوگوں کے فون نمبر دیئے تھے تاکہ وقت آجائے تو اطلاع کر دی جائے۔ امّی جان کو بھی کہا تھا کہ میمن مسجد میں جنازہ اور میمنوں کے قبرستان میں تدفین ضروری نہیں ہے۔ یہ لوگ شرارت کریں گے۔ امّی اپنے غم کے باوجود ہوشیار تھیں۔ عظیم بھیا، ہادی ماموں اور علی خالو نے زندگی میں ساتھ دیا تھا ابھی بھی وہی کام کر رہے تھے۔ میمن جماعت کے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ غنڈے قسم کے لوگ بڑی میمن مسجد کے باہر جمع ہو گئے۔ احمدی احباب بھی جمع ہو گئے اور پوچھنے لگے کیا تردّد ہے۔ جنازہ اٹھانے دیں۔ یونس عثمان اور عبدالکریم بھی آئے۔ اور اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ بابا جان کے پاؤں کی طرف کھڑے ہوئے۔ یہ بھی مسیح پاک کا اعجاز تھا۔ ان کی نمازِ جنازہ احمدی احباب نے میمن قبرستان میں پڑھی اور غائبانہ نماز جنازہ کلکتہ کی مسجد میں پڑھی گئی اور قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے نماز جنازہ غائب پڑھائی۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اللہ کے کام دیکھئے ان دنوں میمن قوم میں یکے بعد دیگرے ۵۲ وفاتیں ہوئیں۔ بڑی اماں نے اپنے کانوں سے سنا۔ لوگ کہتے تھے عبدالستار قادیانی کی بددعا تو نہیں لگی۔ بابا کی ڈائری میں تحریر وصیّت درج ذیل ہے:۔

وصیّت منجانب عاجز عبدالستار

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

جب وہ وقت آجائے جس کے آنے میں ذرہ بھی شبہ نہیں اور جو آ ہی کے رہے گا جس کا وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی بندہ کو اس کے متعلق کچھ بتا دے اور جس قانون میں کوئی استثناء

نہیں ہے۔ تو اس وقت اور اس کے بعد کے لئے چند

ہدایات :۔

(۱) موت کے بعد فوراً ہی جماعت احمدیہ کو خبر بھجوا دی جائے کہ علاوہ دستور کے مطابق تمام انتظامات اور مسجد میں نماز جنازہ کے احمدی جماعت قبرستان میں دفن سے پہلے میری جنازہ کی نماز پڑھیں اور پھر اپنے طور پر فاتحہ اور دعا کا انتظام کریں جس کا خرچ ضرورت کے مطابق دیا جاوے۔

احمدیہ جماعت کو خبر حکیم غلام زکریا کی معرفت دی جا سکتی ہے۔

دوسرا پتہ یہ ہے :۔

اسماعیل برادرس کمپنی شوز مرچنٹ نمبر ۱۵۰ روڈ گول کوٹھی کے پاس۔

تیسرا پتہ یہ ہے :۔

دی گلوب نیشنل۔ تیسری جوتے کی دکان سراج بلڈنگ کے نیچے

(۲) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو خط سے اطلاع دی جائے اور دعائے مغفرت کی درخواست دی جائے۔ پتہ یہ ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

قادیان ضلع گورداسپور، پنجاب

میرے قادر و قیوم خدا نے بابا کا انجام بخیر کیا۔ ایک شخص جس نے برادری کی شدید مخالفت اور دُکھ صرف خدا کی خاطر سہے تھے اپنے خاندان کو خدا کے بھروسے چھوڑ گیا۔ ان حالات نے امی جان کو بھی احمدیت اور بابا کے نام کی لاج رکھنے کا حوصلہ دیا۔ توقع کے عین مطابق امی کو پیغام آنے لگے کہ توبہ کر لو تو ہم سہارا بنتے ہیں ورنہ بچیوں کا ساتھ ہے۔ آپ اکیلی حالات کا مقابلہ کیسے کریں گی۔

امی جان نے سوچا۔ مَیں اکیلی کہاں ہوں۔ میرے ساتھ تو اللہ پاک ہے۔ سجدے میں فریاد کی اور اسی سے مدد مانگی۔ اللہ پاک نے دل میں ڈالا کہ شربت، اچار چٹنی بنا کر بیچو۔ چنانچہ امّی نے یہی کام شروع کر دیا۔ سب بہنیں کام کرتیں۔ کہیں دیگچا چڑھا ہے تو کہیں مسالے صاف ہو رہے ہیں۔ بہت جلد مانگ بڑھنے لگی۔ دو کانوں پر بھی مال جانے لگا۔ اخراجات کا مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ ایک طرح سے پوری میمن جماعت سے ٹکر لینے والی بات تھی۔ تنہا بیوہ عورت بغیر ان کے آگے جھکے اپنا گذارا چلا رہی تھی۔ احمدی احباب بھی کبھی کبھی عظیم بھیا سے ہمارے حالات کے بارے میں پوچھتے۔ مگر ہماری خود داری کی لاج سے کبھی براہ راست ہمیں کسی نے مدد نہیں پہنچائی۔ بابا کی وفات کے وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمیں کبھی پیٹ بھر کے کھانا بھی نصیب ہو گا۔ یہ صرف مسیح موعود کی جماعت میں شمولیّت کی برکت تھی۔ اس نے ہمیں عزتِ نفس کے ساتھ سہارا دیا۔ مجھے یاد ہے آپا رابعہ بہت نیک اور ہمّت والی تھیں۔ محنت بھی بہت کرتیں اور دُعا بھی بہت کرتیں۔ انہی دنوں شدید بیمار ہو گئیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے معجزانہ طور پر نئی زندگی عطا فرما دی۔ ایک دن نیم بے ہوشی میں ایک نظارہ دیکھا کہ بابا نے آکر خُوب پیار کیا اور جھک کر کہا تم اچھی ہو جاؤ گی گھبراؤ نہیں اور جس کام کو تم لوگوں نے شروع کیا ہے انشاء اللہ ایک سال کے اندر اتنا نفع ہو گا۔ بابا نے خواب میں جو رقم بتائی تھی امّی نے نوٹ کر لی۔ ٹھیک ایک سال کے بعد حساب کیا تو ٹھیک اتنی ہی رقم کا منافع ہوا تھا جو بابا نے خواب میں بتائی تھی۔ الحمد للہ۔

اس وقت آپا رابعہ سترہ سال کی تھیں۔ ریحانہ اتنی چھوٹی تھی کہ باپ کی وفات کا شعور نہ تھا۔ اکثر پوچھتی بابا جان کب آئیں گے؟ اور عارف تو گود وں میں کھیلتا تھا۔

میری آپا زکیہؔ کی پہلی نسبت ہماری احمدیت قبول کرنے پر قائم نہ رہی تھی۔ دوسری نسبت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب کے لڑکے ہاشم صاحب سے طے ہوئی۔ وہ بڑے چاؤ سے شادی کر کے لے گئے۔ حق مہر دستور کے مطابق دس روپے رکھا۔ صرف چار ماہ کے بعد طلاق دے دی۔ ستّار خدا تعالیٰ سب کی خطائیں معاف کردیں مگر ہماری دکھی آپا پر پہاڑ آپڑا تھا۔ جس نے اسے نفسیاتی مریضہ بنا دیا۔ ہادی ماموں نے مصالحت کی کوشش کی اور موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سمجھانے لگے دیکھو احمدیوں میں کیا رکھا ہے۔ ابھی بھی توبہ کرلو۔ خدا کا شکر ہے کہ امّی نے ہر آزمائش پر صبر کیا۔ آپا کو سانس کی تکلیف رہتی تھی۔ صدمے سے بہت بڑھ گئی۔ دوسری بہن آپا رابعہ کے لئے ہادی ماموں کے ذریعے نوری صاحب کے سالے یعنی بیوی کے بھائی عبدالرحیم یونس صاحب کا پیغام دیا۔ شادی پر بہت لوگ میمن جماعت کے آئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یونس عثمان صاحب اور یونس صاحب نے مل کر یہ مشہور کرا دیا تھا کہ رقیہؔ بیگم نے توبہ کرلی ہے۔ جب امّی کو علم ہوا تو شدید ناراض ہوئیں میں نے پہلے کبھی امّی کو اس قدر ناراض نہیں دیکھا تھا۔ ہادی ماموں سے اصرار کیا کہ دوبارہ اعلان کروائیں کہ ہم نے احمدیت سے توبہ نہیں کی۔

بابا کی وفات کے ساتھ ایک ایسے شخص کی داستان ختم ہوگئی جو ایک بالکل نئی جماعت میں احمدیت کے پیغام کا بانی ثابت ہوا۔ پھر اس کے خاندان پر کیا گذری اور کس طرح اس بوڑھے پیڑ سے نئے پودے اُگے۔ اور باغِ احمدیت کی بہار سے سرسبز ہوئے یہ ایک الگ اور ایمان افروز کہانی ہے اور اس کہانی کی جان میری ماں ہے سرداری کی حمایت سے محروم۔ جوان بچیوں کا ساتھ۔ ذرائع آمدنی مفقود۔ ایک تنہا بیوہ عورت کس طرح اللہ تعالیٰ پر توکّل کے ساتھ چومکھی لڑائی لڑتی ہے اور سرخرو رہتی ہے۔ گذرے ماہ وسال کو

مَیں چند فقروں میں لکھ جاؤں گی مگر ان دنوں جو صبح سے شام ہوتی اور شام سے صبح ہوتی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کے قرب کا جو نظارہ دیکھا وہ رگ وپے میں رچ بس گیا۔ اگر امّی ہمت ہار دیتیں یا مسائل سے گھبرا کر کسی کی مدد قبول کر لیتیں تو یہ لذّت کہاں سے ملتی۔ یہ احساسِ عزّتِ نفس کہاں رہتا۔ ہماری نگاہیں ہمیشہ کے لئے جھک جاتیں۔ مجھے یقین ہے کہ جہاں بھی کوئی خدا کا نام لینے کے لئے دکھ دیا جاتا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ قریب تر آکر دستگیری کرتا ہے۔ مگر جب یہ حالات خود پر گذرے ہوں تو حلاوتِ ایمانی کا عالم کچھ اور ہی ہوتا ہے اور خدا پر ایمان میخ کی طرح دِل میں گڑ جاتا ہے۔ ہمیں ان حالات نے یہ دولت خوب کھل کر دی اور اس کے ساتھ صبر و شکر بھی عطا کیا۔ ہم نے صبر کے میٹھے پھل کی لذّت ساری عمر لمحہ لمحہ محسوس کی ہے۔

۱۹۴۰ء میں جرمن برٹش جنگ کی وجہ سے کلکتہ کی حالت خراب ہو گئی تو سب رشتہ دار بمبئی چلے گئے۔ امّی جان نے ملک پور جانے کا فیصلہ کیا۔ شدید بمباری میں راتوں رات وہاں پہنچے۔ بڑی امّاں کا خاندان بھی وہیں آگیا۔ خالہ کی نندوں سے ہم سب کی عمروں کی مناسبت تھی۔ رات کو خوب کھیلتے۔ چاندنی میں گھاٹ کے اوپر بیٹھنے کے بڑے سے چبوترے پر تکیہ لگا کر بڑے بیٹھ جاتے اور ہم جگنوؤں کے پیچھے بھاگتے۔ بڑے پاندان سے پان لگا لگا کر کھاتے جبکہ ہم پیڑوں سے بیر اور فالسہ توڑتے۔ ناریل کا پانی پیتے۔ تالاب میں نہاتے۔ خالہ کی دیورانی بھی بہت نفیس عورت تھیں۔ ایک طرف ہمارا باورچی خانہ ایک طرف اُن کا۔ رات کو مالی لالٹین جلا کر دے جاتا۔ رات کے سناٹے میں گیدڑوں کی آوازیں ڈراتیں۔ ٹرین کی آواز بھی آتی تھی۔ بمباری کی آواز پر سب کلمہ و درود پڑھتے۔ ہم اس پر بھی ہنستے رہتے۔ سارا خاندان محبت کرنے والا تھا۔ وہاں کسی بزرگ کی تعمیر

کروائی ہوئی بڑی سی مسجد تھی۔ کنواں بھی تھا جس کے ارد گرد بارہ غسل خانے اور غسلخانوں کے سامنے کپڑے بدلنے کے کمرے تھے۔ اس مسجد میں جمعرات کو خاص مجمع ہوتا۔ میمن قوم کے سب لوگ جمع ہوتے۔ ہم اس وقت گھر پر ہی رہتے بعد میں ماموں نے بہت دفعہ خواہش کی کہ گھر خالی ہے آکر رہو مگر امی کو مناسب نہیں لگا۔ ایک تو عقیدے کا فرق دوسرے وہ لڑکیوں کو تعلیم دلانا چاہتی تھیں

میں لکھتی رہی ہوں کہ ہمارا خاندان کٹر مخالف تھا۔ صرف ایک ہادی ماموں کسی حد تک ساتھ دے رہے تھے اور بڑی اماں نے پیار دیا تھا۔ میرے چچا تھے ماموں داؤد اور ان کی بیوی مجھے بہت چاہتے تھے۔ ان کی خواہش پر میری شادی ان کے دیور، میرے ماموں زاد، ہادی ماموں کے چھوٹے بھائی نور محمد صاحب سے طے ہوئی۔ بمبئی سے محمد صاحب کے بڑے بھائی داؤد بھیا اور مریم بہن آئیں۔ میری امی اپنے ارحم الراحمین خدا کی انتہائی شکر گزار تھیں۔ غیب سے سامان اس کو کہتے ہیں۔ پھر امی اپنی ددھیالی رشتہ داری کی وجہ سے بھی خوش تھیں۔ بڑی محنت و مشقت کے جوڑے ہوئے پیسے سے جہیز اور زیور کا ایک سیٹ تیار ہوا۔ مجھے ابھی بھی امی کا وہ ڈبہ یاد ہے جس میں وہ بچت کے پیسے جوڑ جوڑ کر رکھتیں۔ امی کے پاس جاوے کے زمانے میں ہیرے کے کنگن کا بڑا خوبصورت ڈبہ تھا۔ جب کنگن نہ رہا تو یہ ڈبہ بطور "غلہ" استعمال ہونے لگا۔ پہلے بابا اس میں چند سے کے پیسے ڈالتے تھے۔ پھر امی نے ڈالنے شروع کئے۔ بابا کی زندگی میں آپا رابعہ نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس ڈبے میں سے سونے چاندی کا سیٹ نکل رہا ہے۔ ہوا بھی یہی کہ امی جمع جوڑ نکالتیں اور ہمارے لئے کچھ بنا دیتیں۔ اللہ پاک انہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

مئی ۱۹۴۶ء میں میں رخصت ہو کر الیاس صاحب کی محل نما حویلی میں گئی۔

آپا رابعہ کا مکان بھی قریب تھا۔ اس گھر کے بڑے داماد یونس عثمان صاحب کے بیٹے عبدالکریم فرعون صفت انسان تھے۔ ان کو میرا اور آپا رابعہ کا سامنا خاندانی تقریبات اور تہواروں پر کرنا پڑتا جس سے وہ برافروختہ ہو جاتے۔ باقی افراد نے بڑا پیار دیا۔ میری ہم عمر لڑکیاں سہیلیاں مل جل کر بڑا اچھا وقت گزارتیں۔ بمبئی میں ہنی مون کا زمانہ زیادہ تر سیر و تفریح میں گذرا۔ ہر خوبصورت جگہ گئے مجھے خاص طور پر وہاں کا پھولوں کا زیور بہت یاد ہے۔ ہلکی ہلکی بارش میں بھی سیر کو نکل جاتے۔ واٹر پروف کوٹ پہن لیتے۔ نہ گرمی محسوس ہوتی تھی نہ بارش ہمیں روکتی تھی۔ نوری بھیا کی بیٹیوں کے ساتھ بیڈ منٹن اور کیرم بورڈ کھیلا جاتا۔ ایک دوسرے کو نٹنگ وغیرہ کے ڈیزائن بتائے جاتے۔

میری رخصتی کے بعد امّی پر ریحانہ اور عارف کی تعلیم کی ذمہ داری تھی۔ دونوں کو اچھے معیار کے انگلش میڈیم اسکول میں ڈالا ہوا تھا۔ آپا زکیّہ نفسیاتی مریضہ ہو گئی تھیں۔ سانس کی تکلیف تو تھی ہی ان کے علاج معالجے کا خرچ بھی تھا۔ اب اچار چٹنی کی فروخت سے ملنے والی رقم سے گزارا نہیں تھا۔ ہم مل جل کر جو کام مشکل سے کرتے تھے امی کی اکیلی جان کے لئے ناممکن ہو گیا تو امّی نے وہ کام بند کر کے ساڑھیوں کے بارڈر پر زری تلّے کا کام شروع کر دیا۔ ایک بارڈر بنانے پر تین مہینے لگ جاتے مگر رقم بہتر مل جاتی۔ نہ جانے کس کس نے اس عظیم عورت کے ہاتھوں کے لگے ایک ایک ٹانکے کے ساتھ ٹکی ہوئی دعاؤں والے بارڈر کی ساڑھیاں پہنی ہوں گی جو میری ماں کی بینائی کا عرق تھیں مگر بچوں کو تعلیم کی روشنی سے منوّر کر رہی تھیں۔ ان دنوں بھی عظیم بھیا اور باجی عائشہ ہماری اور امّی کی خبر گیری کرتے۔ صاحبِ حیثیت تھے۔ اُن کے آنے سے ہم عزت افزائی محسوس کرتے۔ ان کی ایک ہی بیٹی صبیحہ

عارف سے دو سال چھوٹی تھی۔

جب برِّصغیر کی تقسیم ہوئی ہمارا گھرانہ پاکستان کے حق میں جذباتی شدّت سے محبت کرتا۔ ہم امّی کے گھر جمع ہوتے۔ آپا رابعہ اپنے دو بچوں کے ساتھ اور میرا اس وقت ایک بیٹا ممتاز تھا۔ ہم سکول کے بچوں کی طرح پر جوش ہوتے۔ انھی دنوں امّی شدید بیمار ہوگئیں اور بیماری بھی کیا بریسٹ کینسر۔ میری بہادر ماں نے آپریشن اور بعد کا شعاعوں سے علاج بڑے صبر اور برداشت سے کرایا۔ اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے وہ کافی نڈھال ہو جاتیں اور خدا تعالیٰ سے شفا مانگتیں۔ یہ سال بھی عجیب کشمکش کے تھے۔ جگہ جگہ فسادات کی خبریں، ہندو مسلم قتل و غارت، جائدادیں لوٹنا، آگ لگانا ہر وقت سننے میں آتا۔ جس حویلی میں ہم رہتے تھے سب اسی میں جمع ہونے لگے۔ ایک ایک کمرہ سب کو مل گیا۔ مگر ساتھ ہی ساتھ پاکستان منتقل ہونے اور لڑکیوں کی شادیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۹۵۰ء کا سال تھا جب آدم جی جوٹ مل میں آگ لگی۔ عظیم بھیا اور باجی دریا کے راستے نکل کر بمشکل امّی کے گھر پہنچے اور فوراً ڈھاکہ پاکستان چلے گئے۔ مَیں کلکتہ میں امّی کے مکان میں منتقل ہو گئی۔ بڑے بھیّا اور داؤد بھیّا چٹاگانگ چلے گئے۔ بے وطنی کی مصیبتیں ایک نہیں ہوتیں اور ایسی بھی نہیں ہوتیں جن کو بیان کیا جا سکے اور پھر مشکلات کے ذکر سے حاصل بھی کیا ہے صرف اتنا بتا دیتی ہوں کہ ریحانہ کا جمع جوڑا جہیز جو امّی سینے سے لگا کر لے گئی تھیں ایک رات چوروں نے بے ہوشی کی دوا کھلا کر سارا لوٹ لیا۔ پے در پے صدمات اور صحت کی کمزوری کی وجہ سے امّی پر دوبارہ کینسر کا حملہ ہو گیا۔ مَیں ڈھاکہ پہنچی ریحانہ میٹرک کا امتحان دے رہی تھی۔ امّی کے پاؤں کے پاس لالٹین کی روشنی میں پڑھتی اور امّی کی ہر آواز پر ان کی خدمت کرتی۔ آپا زکیہ کی بیماری عروج پر تھی۔ عارف

بھی انتہائی غم زدہ امی کی حالت کا اندازہ کر رہا تھا۔ زندگی سے لڑتی جھگڑتی عظیم خاتون نے بالآخر موت سے ہار مان لی۔ زبان پر کلمہ طیبہ تھا۔ ۱۶ نومبر ۱۹۵۱ء کو وہ مجسم ایثار و وفا، احمدیت کی فدائی اپنے مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

بابا اکثر دعا کیا کرتے ”پروردگار! رقیہ سے مجھ کو جنت میں ملا دینا“۔ امی جب بھی یاد آتی ہیں دکھوں کے سمندر میں موجوں سے لڑتی باہمت خاتون کا تصور آتا ہے۔ وفات سے پیشتر امی اور باجی نے بڑی مبشر خوابیں دیکھی تھیں۔ اُن کے چہرے پر بڑا اطمینان تھا جیسے سکون کی نیند سو گئی ہوں۔ ہم سب کو اللہ کے سہارے چھوڑ کر قرار آگیا ہو۔

ماں کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو خدا تعالیٰ زیادہ یاد آنے لگتا ہے۔ میری سوچوں نے میری رہنمائی کی اور میں ان راستوں کا سوچنے لگی جن پر چلنے سے امی کو اتنا ایمان نصیب ہوا تھا کہ وہ ہر مشکل پر صرف خدا کو پکارتیں۔ مجھے اپنے اندر سے یہ جواب ملا کہ یہ سب احمدیت کی برکت تھی۔ میں نے اپنی باجی سے پوچھا۔ باجی بیعت کا اقرار کیسے ہوتا ہے؟

باجی نے کتابوں کے انبار سے ”کشتی نوح“ نکالی۔ اور تاکید کی کہ اسے اطمینان سے سمجھ کر پڑھنا۔ حسب ہدایت کشتیٔ نوح بڑے غور سے پڑھی۔ مگر اعتراف کرتی ہوں کہ اچھی طرح سمجھ نہ سکی۔ باجی مجھے اور ریحانہ کو کچھ نہ کچھ سمجھاتی رہتیں۔ میں نے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور ڈوب کے پڑھا فطری طور پر عبادت کی رغبت تھی۔ مستقل دعا کرتی کہ یا اللہ سیدھا راستہ دکھا۔ یہی دن تھے جب خدا تعالیٰ نے مجھے پہلی بچی شاہین سے نوازا۔ شاہین دو ماہ کی تھی جب ایک دن میں نے بیعت کا خط لکھا اور یادداشت سے جس پتہ پر بابا احمدی بھائیوں کو خط لکھتے تھے، لکھ کر ڈال دیا۔ چند دن گذرے تھے کہ نوکر

نے آکر بتایا۔ دو برقعہ والی عورتیں آئی ہیں۔ کچھ جھجکتے ہوئے بلا کر بٹھایا۔ وہ بے تکلفی سے صوفہ پر تشریف فرما ہوئیں اور میرا ہی لکھا ہوا خط دکھا کر پوچھا۔

"آپ ہی رفیعہ سلطانہ ہیں"

میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ہمارے گھر تشریف لانے والی احمدی بہنیں تھیں۔ یہ محترم صدیق بانی صاحب کی اہلیہ آپا زبیدہ صاحبہ اور ان کی بھابھی تھیں۔ وہ ہمارے حالات سے اچھی طرح باخبر تھیں۔ خوب کھل کر باتیں ہوئیں۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ابھی اور مطالعہ کروں۔ پھر بیعت کروں۔ انہوں نے رابطہ کا وعدہ کیا اور حسب وعدہ میرے گھر نور کا دریا بہنے لگا۔ 'الفضل' حضرت مسیح پاک کی کتب، ان کی بیٹی چپکے سے لاکر دے دیتی اور میں ایک دن میں پڑھ جاتی۔ کسی کو خبر نہ تھی میں کس عالم سے گذر رہی ہوں۔ باجی عائشہ سے رابطہ تھا۔

خاکسار رفیعہ سلطانہ کچھ اہمیت نہیں رکھتی کہ اپنے قبولِ احمدیت کے واقعات قلمبند کروں اور قارئین کرام کا قیمتی وقت لوں۔ مگر صرف اس خیال سے کہ بابا کی دعاؤں کا دھارا کہاں تک بہتا رہا۔ میں یہ حالات ضرور لکھوں گی۔ کہ کس طرح ہم بہنوں اور پھر ہمارے شوہروں کو جو بابا کے درخت کی شاخیں ہیں احمدیت سے پیوستگی نصیب ہوئی۔ میں نے ذکر کیا تھا کہ باجی عائشہ کو ہم سے زیادہ احمدیت کے عقائد کا علم تھا۔ بابا قبولیتِ احمدیت کے بعد اپنی حیات میں اکثر بیمار رہے۔ جس حد تک وہ ہم میں ایمان کو راسخ کر سکے وہ بتاتے رہتے۔ عقائد اور دلائل کا علم مطالعہ سے ہوا۔

ایک دفعہ باجی کے نوکر کو ہسپتال داخل ہونا پڑا۔ اس نے وہاں سے باجی کو خط لکھوا کر ڈالا۔ باجی نے خط کھولا تو اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ و علیٰ عبدہ المسیح الموعود لکھا تھا۔ باجی ہسپتال گئیں اور

نوکر سے پوچھا۔ "تم نے یہ خط کن صاحب سے لکھوایا تھا؟" اس نے ایک بیڈ کی طرف اشارہ کر دیا۔ باجی فوراً ان سے ملیں۔ ایک دوسرے کا تعارف ہوا۔ جب انہیں یہ علم ہوا کہ باجی احمدی باپ کی بیٹی ہیں اور بے پردہ ہیں تو متعجب ہو کر کہا: احمدی باپ کی بیٹی اور اس حال میں ـــ

پھر انہوں نے ایک مسجد کا پتہ دیا اور کچھ لٹریچر دیا۔ اس طرح باجی کے گھر کے دروازے احمدی لٹریچر کے لئے کھل گئے۔ قادر و توانا خدا نے بابا کی امانت کو ضائع ہونے سے بچا لیا۔ خدا تعالیٰ نے یہ معجزہ دکھایا کہ ہمیں احمدیت کی گود میں ڈالنے کا غیب سے سامان فرمایا۔ یہ بھی عجیب تصرفِ الٰہی تھا کہ باجی نے ڈھاکہ سے اور میں نے کلکتہ سے ایک ہی وقت میں بیعت کے خطوط لکھے۔

اب سنیئے آپا رابعہ نے کیسے احمدیت قبول کی۔ قربان جاؤں مولا کریم کے یہاں بھی معجزہ ہی ہوا۔ ایک دن ان کے شوہر عبد الرحیم یونس صاحب نے آ کر بتایا کہ ہمارے مکان کے پاس ایک بہت نورانی شکل کے بزرگ مولوی انور صاحب رہتے ہیں۔ ان کی بیوی کی بہن مسعودہ صاحبہ سے آپا رابعہ کی علیک سلیک ہو گئی۔ ایک اور خاتون جو پڑوس میں ملنے کے لئے آئی تھیں، نوک والا نقاب پہنے ہوئے تھیں۔ آپا رابعہ نے پوچھا آپ احمدی ہیں۔ وہ نرائن گنج کے صدر جماعت احمدیہ کی بیگم تھیں۔ آپا رابعہ ان دونوں خواتین سے کتب اور الفضل لے کر پڑھتی رہیں مگر شوہر بہت سخت مزاج تھے حتّٰی کہ ایک دفعہ جمعہ پر جانے کے قصور میں ہاتھ بھی چلایا۔ پھر یہ دستور ہو گیا۔ آپا صبر سے برداشت کرتیں۔ ایک دفعہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ طلاق کی دھمکی دے دی۔ آپ کو حضرت مسیح موعود کے عشق کے طفیل ہمت عطا ہوئی اور ان کو تبلیغ شروع کر دی۔ عبد الکریم صاحب انور صاحب سے متاثر تھے۔ کبھی بات سن لیتے کبھی بگڑ

جانے اور حضرت مسیح موعود کو گالیاں دیتے جس سے ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔ وہ گانے سننے کے شوقین اور آپا کو سخت نفرت۔ اتنا تھا کہ نماز کے پابند تھے اور عورتوں کی بے تحاشا آزادی کو بھی ناپسند کرتے تھے اس طرح اندر اندر سے آپا کی باتیں پسند بھی تھیں۔ آپا ہر وقت موقع محل دیکھ کر تبلیغ کرتیں۔

امی جان کی وفات سے ہمارا اکلوتا بھائی عارف تعلیم جاری نہ رکھ سکا۔ انٹر تک تعلیم حاصل کر کے پاکستان ریڈیو ہاؤس میں ملازمت کر لی۔ وہیں ایک کمرے میں رہائش کا انتظام ہو گیا۔ زکیہ آپا کو ہم نے نواب پور ڈھاکہ میں ایک اچھے خاندان کے ساتھ Paying guest رکھا۔ جس گھر میں عارف کو کمرہ ملا وہ ایک احمدی مختار صاحب کی ملکیت تھا۔ وہاں ایک اور احمدی لڑکا خورشید حسین بھی رہتا تھا۔ ایک رفیقِ مسیح شیخ صاحب بھی رہتے تھے جو عارف کے لئے احمدیت کی تعلیم کا ذریعہ بنے رہے۔ خورشید حسین صاحب کے ایک بھائی ہمارے خاندان میں واحد احمدی ہوئے۔ پھر خورشید حسین صاحب احمدی ہوئے۔ خورشید حسین صاحب سے بعد میں ریحانہ کی شادی ہوئی۔

آپا جو نشان پورا ہوتا خوب کھول کر بیان کرتیں اور اللہ پاک سے ڈراتیں۔ زمانہ کی حالت اور مہدی کی ضرورت بھی زیرِ بحث رہتی۔ اللہ پاک نے آپا رابعہ کی مدد کی۔ سیلاب آیا اور گھر تک پانی آگیا تو دل پر خوف طاری ہو گیا کبھی کبھی جمعے پر جانے لگے۔ ایک رات خواب میں دیکھا۔ ایک بزرگ ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی ہے اور ایک نظم پڑھ رہے ہیں جس کا شعر ہے ؎

بابِ رحمت خود بخود پھر تم پہ وا ہو جائے گا
جب تمہارا قادرِ مطلق خدا ہو جائے گا

صبح اٹھے تو شعر دہرا رہے تھے۔ حالانکہ انہیں علم بھی نہیں تھا کہ یہ حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی کا کلام ہے۔ پھر آپا سے کہا مجھے امام مہدی کی تصویر تو دکھاؤ۔ آپا خوفزدہ ہو گئیں کہ پھر گالیاں دیں گے۔ مگر ان کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب تصویر دیکھ کر انہوں نے کہا۔

"یہی تو وہ بزرگ ہیں جن کو خواب میں دیکھا تھا"

اور زار و قطار رونے لگے۔ اس کے بعد گالیاں دینا ختم کر دیا۔ آپا رابعہ کی دعائیں سنی گئیں۔ جمعہ پر بھی جانے لگے۔ ایک دن جیوٹ بروکر کی دکان پر بیٹھے تھے کہ ریڈیو پر اعلان ہوا جماعت احمدیہ کے سربراہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد پر چھری سے قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ وہیں سے انجمن دوڑے کہ کہیں مصلح موعود کی بیعت سے محروم نہ ہو جاؤں اور اس طرح ایک پتھر دل آپا رابعہ کے آنسوؤں سے موم ہوا۔ الحمد للہ۔ موم ہوا تو ایسا ریشم کا سا نرم کہ ہر وقت دین کا پرچار۔ نظم اچھی کہتے تھے اور خوب سناتے تھے۔ آپا رابعہ نے ڈھاکہ میں احمدی بچوں کی تعلیم کے لئے کوشش کر کے ایک سکول شروع کیا۔ ۱۹۵۶ء میں اس سکول کی تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ آپا رابعہ نے لجنہ کی بھی بہت خدمت کی۔ دس سال صدر رہیں۔ اس کے علاوہ بڑی اماں کے خاندان کو مسلسل دعوت الی اللہ دیتی رہیں۔ ایک دفعہ تو یہ بھی ہوا کہ پڑوس کی مخالف عورتیں بھی شامل ہو گئیں اور بات گستاخی تک پہنچ گئی۔ خرافات بکنے کے بعد ایک عورت نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے کہا۔ "اے خدا اگر مہدی سچے ہیں تو اس گھر کی چھت گر جائے۔" ستائیسویں دن محمد بھائی کو صبح ہارٹ اٹیک ہوا۔ اور آناً فاناً ختم ہو گئے۔ سب لوگوں نے تسلیم کیا کہ واقعی چھت گر گئی مگر ہدایت تو اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ آپا زکیہ کا کہنا تھا کہ وہ بابا کی زندگی میں ہی احمدی ہو گئی تھیں۔ کتابیں اور الفضل انہیں دکانوں سے منگوا کر پڑھتی تھیں جہاں سے بابا منگواتے تھے۔ ریحانہ اور آپا زکیہ کو مولوی سلیم صاحب

کے گھر لے گئی اور اس طرح ہم پانچوں بہنیں باقاعدہ طور پر احمدیت میں داخل ہوگئیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ عارف اکلوتا بھائی اس وقت چودہ سال کا تھا زیر تعلیم تھا۔ آپا زکیہ کی پریشانی سب کو لاحق رہتی۔ بڑی صابر شاکر بہن تھیں۔

احمدیت میں داخل ہونے سے پہلے ہی بابا کے احمدی ہونے سے ہم ایک طرح پیدائشی احمدی تھے اور وہ جذبہ اور قوت جو احمدیوں کا طرۂ امتیاز ہے ہم میں بھی تھی مگر حالات کی وجہ سے ہم خاموش احمدی تھے۔ اب جب علی الاعلان احمدی ہوئے تو دل میں کروٹیں لیتا یہ شوق بڑھنے لگا کہ ہم بھی احمدیت کی ترقی کے لئے کام کریں۔ ایک تو خود بخود لوگ ہمارے وجود سے متاثر ہونے لگے۔ پھر اللہ پاک نے معاشی لحاظ سے بھی بہتر کر دیا اس طرح ہماری بات بھی سنی جانے لگی۔ محمد صاحب کے بھائی عبداللہ بھیا کا کھلنا پورٹ پر منتقل ہونے کے بعد کاروبار خوب ترقی کرنے لگا۔ ہم عبداللہ بھیا والے مکان میں چلے گئے۔ یہاں معمول تھا کہ اتوار کے اتوار سب رشتہ دار خضر پور میں جمع ہوتے جن میں شدید معاند عبدالکریم اور ان کی بیگم تھے۔ ایک دن کسی اعتراض کے جواب میں قرآن پاک منگوا کر حوالہ دیا تو بیگم عبدالکریم نے قرآن پاک اٹھا کر میز پر پٹخ دیا کہ یہ تو تمہارا قرآن مجید ہے۔ اس پر بہت غیرت آئی۔ خون کھول گیا مگر اندر ہی اندر خدا تعالیٰ نے طاقت دی اور مَیں نے بڑے ضبط و تحمل سے، مگر بڑی قطعیت سے احمدیت کے حق میں دلائل دیئے۔ وہ سب لاجواب ہو گئے اور میرے میاں محمد صاحب بھی خوش ہوئے۔ اب ان کا وہ حربہ کام آیا کہ محمد صاحب سے میرا نکاح ختم ہو گیا۔ مگر محمد صاحب نے پرواہ نہ کی اور کچھ نہ کچھ احمدیت کا مطالعہ شروع کیا۔ عبدالکریم صاحب نے مخالفت کو گندا رخ دیا اور حضرت مسیح موعود کی ذات پر حملے کرنے لگے۔ ان کی زندگی کو بھی اور وفات کو بھی نشانہ بنایا۔ ایک روز دل ایسا جلا کہ مُنہ سے نکلا۔

"دیکھنا اس کی موت غسلخانہ میں ہوگی"۔ یہ بات ۱۹۵۴ء میں میرے منہ سے نکلی تھی مگر خدا کی شان کہ سترہ اٹھارہ سال بعد عبدالکریم صاحب کی وفات اس طرح ہوئی کہ غسلخانہ گئے۔ جب نہ نکلے تو دروازہ توڑا گیا اور اندر سے لاش نکلی۔ سینکڑوں لوگوں کی زبان پر تھا۔ یونس عثمان کا بھتیجا عبدالکریم غسلخانہ میں بند مرگیا اور دروازہ اندر سے لاک ہونے کی وجہ سے بہت مشہوری ہوئی۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

اب ہم کو فکر تھی کہ کسی طرح اپنے شوہروں کو بھی پُرامن دائرۂ احمدیت میں لانے کی کوشش کریں۔ ۱۹۵۵ء تک جب میرا دوسرا بیٹا اعجاز احمد پیدا ہوا حالات کچھ اس طرح تھے کہ خاندان ہندوستان اور کاروبار کھلنا میں ہونے کی وجہ سے محمد صاحب کا ایک پاؤں کھُلنا میں ہوتا تو ایک کلکتہ میں۔ کھلنا میں کاروبار جم جانے سے بھیا وہاں عیش و عشرت میں کھو گئے اور ہمیں پاکستان لانے کی فکر نہ کی۔ مَیں نے ہمت کی اور باجی کو ڈھاکہ میں خط اور فون سے آمادہ کر لیا کہ ہم قادیان اور ربوہ کی مقدس بستیاں دیکھنے چلیں۔ اس طرح ہمارے شوہروں کو بھی احمدیت کی صداقت کا علم ہوگا۔ میں نے احمدی بھائیوں منشی شمس الدین صاحب اور سلیم صاحب سے فون پر گذارش کی کہ میرے شوہر کو آہستہ آہستہ پیار و محبت کے تعلقات بڑھا کر احمدیت کی تعلیم دیں۔ احمدیت کے تعلقات حقیقی رشتوں سے بڑھ کر ہو گئے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے بہت پیار کرنے والے ساتھی دیئے۔ محترمہ آپا نصیرہ بیگم، صاحبزادہ مرزا ظفر احمد صاحب، میجر اسماعیل صاحب، نرائن گنج میں ابوالہاشم کی بیٹی مسعودہ صاحبہ، بھائی انصر صاحب، مومنہ آپا صاحبہ، آمنہ آپا صاحبہ اور بہت سی دوسری بہنیں جو دلداری کرتیں اور بہناپا ہو گیا۔ ۱۹۵۵ء میں باجی اور عظیم بھائی ربوہ گئے مگر مَیں نہ جا سکی۔ ربوہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

سے ملاقات کا وقت لیا گیا۔ عظیم بھیا نے مصافحہ کے لئے حضور کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ پھر وہ ہاتھ تاحیات اس مقدس ہاتھ کے مس سے بیعت کا ہاتھ بن گیا۔

ع۔ جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

عظیم بھیا نے ہمارا اس وقت ساتھ دیا تھا جب اور کوئی ہمارا حمائتی نہ تھا۔ بابا کی خدمت کر کے دعائیں لی تھیں۔ پھر امی کی آخری وقت تک خدمت کی تھی۔ آپا زکیہ، ریحانہ اور عارف کی سرپرستی باپ بن کر کی تھی۔ عہدِ بیعت بھی پوری وفا سے نبھایا۔ باجی اور بھیا کھلے بندوں دعوت الی اللہ کا کام کرتے تھے۔ اب وہ اس دنیا میں نہیں۔ خدا تعالیٰ ہمارے دل کی دعائیں قبول فرمائے اور انہیں اجرِ عظیم عطا فرماتا چلا جائے۔ آمین۔

اگر مَیں باجی کے ساتھ ربوہ چلی جاتی تو بہت مشکل پیش آتی کیونکہ ہم احمدی تو تھے مگر کاروباری تعلقات میں مکس پارٹیاں اور دعوتیں چلتی تھیں باجی نے آکر جو نظارہ بتایا اس سے اپنی اصلاح کی طرف توجہ ہوئی۔ چٹاگانگ میں ہماری مسجد چوک بازار میں تھی۔ مَیں جمعہ وغیرہ میں ضرور جاتی۔ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کے داماد محمود الحسن صاحب اور مریم صاحبہ بیگم داؤد کی مہربانی کہ گاڑی بھیج دیتے۔ مسجد کے قریب بڑی اماں کا مکان تھا۔ وہاں جاتے اور خاندان کے افراد کو خوب دعوت الی اللہ دیتے۔ محمد صاحب سب جانتے تھے۔ میرا جمعہ اور اجلاسوں میں جانا، چندہ دینا کسی چیز سے اختلاف نہ تھا۔ اختلاف تھا تو پردہ سے۔ بڑی سختی سے کہتے کہ تم کبھی سوچنا بھی نہیں کہ پردہ کرو گی۔ ایک یہ مسئلہ تھا۔ دوسرا مسئلہ کاروبار کا آپڑا کہ پاکستان میں کاروبار خوب ترقی پر تھا جبکہ کلکتہ میں ماند پڑ گیا۔ اس موقعہ پر مریم بہن نے سگی بہنوں سے بڑھ کر سلوک کیا اور بڑے بھیا کو سمجھایا

کہ ان کو بھی پاکستان بلالو۔ مریم بہن نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا اس کی مثال نہیں ہے۔ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا کرے آمین

خاندان والوں نے سوچا ہو گا عزت ذلت ان کے ہاتھ ہے۔ مگر مولی کریم نے ہم کو عزت بھی دی اور ان کو دکھایا بھی کہ جو خدا کی خاطر ذلت دیئے جاتے ہیں انہیں خدا تعالی کیسے اعزاز سے نوازتا ہے۔ مریم بہن کے توجہ دلانے سے کلکتہ میں الیاس صاحب کی کمپنی کی برانچ کا ڈائریکٹر محمد صاحب کو بنا دیا گیا اس طرح مالی کشائش ہو گئی اور چٹاگانگ کے کرم فرماؤں میں وہاں کے کمشنر صاحب اور رحمت اللہ باجوہ صاحب، انور کاہلوں صاحب، ڈاکٹر حمید صاحب کی فیملیز بھی اللہ تعالی کا ایک احسان یہ بھی ہوا کہ عبدالکریم صاحب کے بیٹوں کی دوستی جنرل اختر حسن ملک صاحب سے ہو گئی۔ اس طرح احمدیت میں اللہ پاک کی دی ہوئی عزت کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔

۱۹۶۰ء کے آغاز میں کلکتہ میں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہونے کی وجہ سے مکان تبدیل کرنا پڑا۔ اب جو مکان ملا وہ پارک سرکس میں تھا۔ پارک سرکس میں جماعت کی مسجد بھی تھی جس سے ہمیں بہت سہولت ہو گئی اور بچے بھی مسجد میں آنے جانے لگے۔ برقعہ پہننے پر بحث جاری رہتی۔ آپا زبیدہ صاحبہ کہتیں دعا کرو اور صبر کرو۔ اللہ مدد کرے گا۔

چھوٹی بہن ریحانہ نے بی اے بی ٹی کر لیا۔ غیر احمدیوں کے رشتے آئے مگر اس نے خود فیصلہ کیا کہ شادی ہو گی تو احمدیوں میں ہو گی۔ چنانچہ اللہ پاک نے ہماری مدد کی اور احمدیوں کی معاونت سے خورشید حسین صاحب سے اس کی شادی ہو گئی۔

محمد صاحب کی کمپنی میں بڑے بڑے انقلاب آئے۔ سازشیں ہوئیں آپس

ہیں تفرقے پڑے۔ مَیں تو صرف خدا کے آگے جھکی رہتی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو دُعا کے لئے خط لکھتی رہی۔ جب خاندان میں جھگڑے اور حق تلفیاں ہوں تو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بڑھنے لگتی ہیں۔ سچ جھوٹ سب مل جاتا ہے۔ ایسے ایسے تکلیف کے موقعے بھی آئے کہ تڑپ تڑپ کر خدا تعالیٰ سے مدد مانگی۔ مگر نہ سچ کا پاک دامن چھوڑا نہ کسی اور کے آگے جھکے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ خود بریت کے سامان کئے۔ اُنہی دنوں بھیّا شدید بیمار ہو گئے۔ اپنڈکس کا درد اٹھا تھا مگر شوگر کی وجہ سے پیچیدگی ہو گئی۔ بے ہوش ہو ہو جاتے۔ سارا خاندان جمع تھا۔ اس بے ہوشی میں بڑبڑاتے۔ مَیں نے محمد کا خاندان کیوں چھوڑا۔ اس کا کیا بنے گا۔ اور اس دکھ میں بے چارے رخصت ہوئے۔ پانچ جنوری ۱۹۶۲ء کو بھیا کی وفات ہوئی۔ پورٹ کے جہازوں کی کمپنی کے سربراہ تھے۔ لوگ ہجوم در ہجوم آ رہے تھے۔ جہاز چارٹر کر کے جنازہ چٹا گانگ لے کر گئے تو وہاں بھی ائرپورٹ پر حد نظر تک سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ ان کا دنیا سے جانا بھی عجیب عبرت انگیز منظر تھا۔ پہاڑ پر بہت بڑا محل بنوایا تھا۔ باغ لگوایا تھا۔ فرنیچر بن کر ابھی پہنچا نہیں تھا جس کا جرمنی سے فنشنگ کا سامان آیا تھا۔ محل تک جانے والی سڑک گھوم گھوم کر جاتی۔ وہ بھی نامکمل تھی کمپنی کی خدمت کرنے والوں کی قدر نہیں کی مگر خود رہنا نصیب نہ ہوا۔ الیاس صاحب اور اپنے نام پر بنا ہوا سفید ہاتھی پہاڑی پر رہ گیا۔ خود چلے گئے۔

دوسری طرف ان کے سب سے چھوٹے بھائی محمد صاحب کو اللہ نے یہ توفیق دی کہ اپنی کمائی سے چندہ دیں۔ کلکتہ کی مسجد میں کافی چندہ دیا۔ اس کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت حضرت مرزا وسیم احمد صاحب قادیان سے آئے تھے ہمیں عید سے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ میرے بیٹے بھی شریک ہوئے تھے۔ یہ عجیب دن تھے آپا رابعہ کے گھر اکٹھے ہوتے۔ حضرت مسیح موعود کی باتیں ہوتیں۔ بچے نظمیں یاد کرتے۔ بھائی

عبدالرحیم یونس صاحب اپنی نظمیں سناتے۔ یہ روح پرور محفلیں دلی سکون عطا کرتیں جبکہ اُدھر دسواں، بیسواں، چالیسواں ہو رہے تھے۔ بھیّا کی وفات کے بعد جائداد اور کاروبار کے لئے جو میٹنگ ہوئی اس میں دشمنِ جان عبدالکریم صاحب بھی تھے۔ پھر اللہ پاک نے دُعا کا موقع دیا۔ نوری صاحب میٹنگ میں تھے کہ اچانک دل کا دَورہ پڑا اور دس منٹ میں انتقال ہو گیا۔ گھر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ آج میٹنگ تو ہماری قسمت کے فیصلہ کے لئے ہو رہی تھی وہ تو بیچ ہی میں رہا۔ اتنے میں آپا رابعہ مجھے بُلا کر ایک جگہ لے گئیں اور تسلی دیتے ہوئے کہا کہ مَیں نے تمہارے لئے بہت دُعا کی تھی۔ مجھے سجدہ میں سامنے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ لکھا نظر آیا۔ وہیں مَیں نے لِکھ دیا یہ دیکھو۔ اور ہر طرح اللہ قادر و توانا کی رحمت پر نظر رکھو۔ اس اثناء میں احمد بھائی (جو افسوس کے لئے کلکتہ سے آئے تھے) کے بچے کو سر میں پتھر لگا۔ شدید چوٹ آئی۔ بچہ خون خون ہو گیا۔ میں نے الگ کھڑے ہو کر اللہ پاک سے دُعا کی۔ ہم نے سب معاف کیا۔ اس گھر کی سزائیں معاف کر دے۔ شکر ہے بچہ بچ گیا۔ ہمیں تو ان کی سزا سے دلچسپی نہ تھی۔ ان کی ہدایت کی خواہش تھی اور اس کے لئے دُعا کر رہے تھے۔

محمد صاحب جہاز میں کام کرتے تھے تو ان کا ایک ماتحت تھا منظاہر حسین بہت محنتی اور وفادار۔ اسی وجہ سے محمد صاحب سے اس کی اچھی بنتی تھی۔ اس نے بہت ترقی کی اور کلکتہ میں ایک کمپنی خرید لی۔ افسوس کے لئے آئے اور محمد صاحب سے مدد کا وعدہ کیا۔ وہ دن عجیب خوف کے دن تھے ایسے لگتا تھا اللہ پاک ناراض ہو گیا ہے۔ چٹاگانگ میں ماسی ماں کا انتقال ہوا۔ ابوبکر (جو نوری صاحب کے بہنوئی تھے) قبرستان میں گر گئے اور شدید بیمار ہو گئے۔ کمپنی کے مستقبل کے لئے سب بھائیوں کی میٹنگ ہوئی اور خسارے میں چلنے والی یہ کمپنی منظاہر حسین صاحب نے خرید لی۔

جو اس کمپنی میں کبھی دو سو روپے کا ملازم تھا۔ ہمیں اس موقع پر بھی دعاؤں کا خوب موقع ملا۔ ایک کمرے میں ہم با جماعت نماز ادا کرتے۔ آپا رابعہ ان دنوں قادیان جانے کے لئے کلکتہ آئی ہوئی تھیں۔ ہم سب فیصلے کے بہتر ہونے کے لئے دعا کرتے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیشہ ساتھ دیا تھا۔ فیصلہ کے بعد سب سے زیادہ جس کا مستقبل خطرہ میں تھا وہ محمد صاحب تھے۔ کیونکہ باقی سب بھائی پاکستان میں قدم جما چکے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ سب کے جانے کے بعد جب ابوبکر صاحب کو یورپ روانہ کر کے واپس آئے تو مظاہر حسین صاحب کے حکم سے محمد صاحب کو بڑی گاڑی بھیجی گئی اور ملازم کو کہا گیا کہ ہماری گاڑی ورک شاپ پر دے آئے۔ اب محسوس ہوا کہ ہمارا خدا ہمارے کس قدر قریب ہے۔ کیسا معجزہ، کیسا پیار، کیسی مدد اس گناہگار کی قادر و توانا خدا نے کی کہ دنیا کے بندوں کو کبھی سمجھ نہیں آ سکتی۔ ہم مادی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتے ہیں اس سے لاکھوں گنا زیادہ دل کی آنکھوں سے نظر آ رہا تھا۔ آج بھی خُدا کے قرب کی لذّت محسوس ہو رہی ہے۔ کسمپرسی میں جب بندے ٹھکرا کر یہ سمجھیں کہ بندہ بے یار و مددگار ہو گیا ہے تو خدا تعالیٰ پیار سے قریب آ کر ہاتھ تھام لیتا ہے۔ محمد صاحب کے بھائیوں کا اس رقم پر بڑا جھگڑا ہوا جو کمپنی فروخت کر کے ملی تھی جبکہ محمد صاحب کا حصہ بکا ہی نہیں تھا۔ وہ تو ہندوستان ہی میں تھے۔ کمپنی کے فروخت ہونے پر احمد صاحب کو علم ہوا کہ محمد صاحب کا حصہ فروخت ہوا نہ نوکری گئی۔ بہت برا فروختہ ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے چھٹکارے کے لئے یہ سامان کیا۔ الحمد للہ

۱۹۶۲ء میں ہم نے مولوی سلیم صاحب کے مشورہ سے قادیان اور ربوہ جانے کا پروگرام بنایا۔ مسز حسن جن کے والدِ محترم سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب کا

جنازہ قادیان آرہا تھا ہماری شریکِ سفر تھیں۔ ہم قادیان کی مبارک بستی کی خاک پر آنکھیں بچھاتے حضرت میاں وسیم احمد صاحب کے ہاں پہنچے جن کے ہم مہمان تھے۔ ہمیں حضرت قمرالانبیاء کے مکان میں ٹھہرایا گیا۔ میں نے دعا کے ہر موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور محمد صاحب کے قبولِ احمدیت کے لئے دُعا کی۔ بزرگوں سے بھی درخواست کی۔ سب نے تسلّی دی کہ محمد صاحب انشاءاللہ ضرور احمدیت میں داخل ہوں گے۔ وہاں میری ملاقات محمود احمد قریشی صاحب اور ان کی بیگم آمنہ صاحبہ سے ہوئی۔ ان کے ساتھ لاہور اور پھر ربوہ پہنچے۔ اس سرزمین کے عشق میں بڑی دعائیں کی تھیں۔ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی کوٹھی میں ٹھہرائے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ان دنوں علیل تھے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم نے اس ہستی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحب سے ملاقات ہوئی اور میں نے پھر وہی دعا کی درخواست کی کہ محمد صاحب احمدی ہوجائیں۔ آپ نے تسلّی دی اور فرمایا۔

"جس نام کے آگے محمد اور پیچھے محمد ہے وہ ضائع نہیں ہوگا۔"

خاندانِ مبارکہ کی مبارک خواتین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ برقعہ میں نے وہاں منگوا کر کچھ وقت کے لیٹے پہن لیا تھا۔ ان دنوں ریحانہ ربوہ میں تھی۔ ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۰ء میں جونیئر ماڈل سکول میں مس ستّار کے نام سے کالج کی پرنسپل کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ اس کی وجہ سے بھی ربوہ میں بہت عزت ملی۔ ریحانہ کو مبارک خاندان کے بہت سارے بچوں کو پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔ جب ریحانہ ربوہ سے رخصت ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی انگوٹھی اپنے پاس چوبیس گھنٹے رکھ کر دُعا کر کے تحفہ میں دی۔ ریحانہ کو یہ سعادت ملی کہ اس کے باباجان عبدالستار صاحب جس ہستی کے عاشق

تھے ان کے قریب رہی۔ کبھی خواب میں بھی نہ سوچا ہوگا کہ جن کو چھُپ چھپ کے خط لکھتے تھے ان کی بستی میں رہیں گے۔

شاید پڑھنے والوں کو محسوس ہو کہ میری کہانی طویل ہوتی جا رہی ہے مگر مجھے تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بابا کی دعاؤں سے کس طرح خاندان احمدیت سے وابستہ ہوتا گیا اس لئے نہایت اختصار سے بات کو آگے بڑھا رہی ہوں اگر سب واقعات لکھنے لگوں تو یہ الف لیلیٰ کبھی ختم نہ ہو۔

اب سنیئے ایک رات محمد صاحب نے صبح کے وقت خواب میں دیکھا کہ ہر طرف قیامت خیز آفات ہیں۔ وہ بھاگ رہے ہیں مگر کہیں پناہ نہیں ہے۔ اسی گھبراہٹ میں یکایک ایک سبز رنگ کا دروازہ سامنے آتا ہے۔ محمد صاحب گھٹنے کے بَل بیٹھ کر اس میں حضرت مسیح موعود کا نام لکھتے ہیں کہ دروازہ کھُل جاتا ہے۔ دروازے کے دوسری طرف بڑی اماں کے بیٹے مرحوم محمد بھائی ہیں۔ اُن سے دریافت کرتے ہیں۔ "آپ اس طرف ہیں۔ بتایئے کیا احمدیّت سچّی ہے؟ محمد صاحب کو ان کا جواب تو سمجھ نہیں آیا۔ مگر وہ فقیروں کی طرح ان کو لے جاتے ہیں۔

مجھے تو خواب کا یہی مفہوم سمجھ میں آیا کہ اگر احمدیت کے دروازے میں داخل نہ ہوئے تو آفات کا مقابلہ ہوگا۔ اس خواب کے ساتھ ہی پاکستان منتقلی کے کاغذات میں رکاوٹ پڑنے لگی تو محمد صاحب کو خدا کا خوف محسوس ہوا۔ اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ انہوں نے بیعت کا خط لکھ دیا اور اس میں سب بچوں کو بھی شامل کیا۔ مولوی سلیم صاحب، شمس الدین صاحب اور آپا زبیدہ صاحبہ کے خاندان والوں نے مٹھائی منگوائی اور بہت خوشی کا اظہار کیا۔ الحمد للہ۔

۱۹۶۳ء میں کلکتہ میں زبردست فساد ہوا۔ آپا رابعہ بچوں کے ساتھ ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں۔ ایک وقت تو فسادیوں نے پورے گھر کو گھیر لیا تھا۔ حلق تک

جان آگئی تھی۔ اللہ پاک نے مدد کی اور وہاں سے چھپتے چھپاتے نکل کر جانیں بچیں۔ ان سب حالات کو دیکھ کر جون ۱۹۶۴ء میں منظاہر حسین صاحب نے کمپنی فروخت کردی۔ بیعت کی منظوری کا خط ۶۴-۷-۳۱ کو موصول ہوا۔

ہماری پاکستان جانے کی اپیل منظور ہوئی تو احمد بھائی نے آخری حربہ کے طور پر تنگ کرنے کی اسکیم بنائی اور ہر طرف مشہور کیا کہ محمد صاحب کو ان کے نو ہزار روپے ادا کرنے ہیں۔ انکم ٹیکس آفیسر کو بھی کہہ دیا تاکہ کلیرنس نہ دے مگر خدا کے معجزہ نے مدد کی اور کلیرنس دے دی۔ میں نے سارا سامان فروخت کیا۔ ملک پور میں والد کا مکان فروخت کیا اور چپکے چپکے تیاری کرلی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی اور معمولاً سب کام کرتے ہوئے خاموشی سے اٹھے اور ہوائی جہاز سے بحفاظت ڈھاکہ پاکستان پہنچ گئے۔ محمد صاحب کو کھلنا میں جاب ملا۔ خوشی خوشی فرنیچر، پردوں کا آرڈر دینے لگے مگر میرا دھیان تو اس طرف لگا تھا کہ کہیں احمدیت کا قرب نصیب کرے۔ ایک ملال برابر بے چین رکھتا کہ پردہ کرنے کی کوئی صورت نہیں بنی تھی۔ آئے دن بڑی بڑی دعوتیں ہوتیں۔

میں نے تنگ آکر ڈھاکہ رہنے کا فیصلہ کیا۔ جماعت کے ساتھ وابستگی میسر آئی اور اس معاہدے پر پردہ کی اجازت مل گئی کہ جب محمد صاحب آئیں گے تو بغیر برقعہ اور باقی وقت برقعہ۔ خیر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی دعاؤں سے یہ بھی میسر آیا۔ سات سال اسی طرح گزرے۔ میری بچی شاہین میری مشیر اور دوست تھی۔ بڑی سعید فطرت، اطاعت گزار۔ ذہین اور نیک۔ سچے خواب دیکھتی۔ بڑا بیٹا C.A کر رہا تھا۔ باہر سے گھر آکر بتاتا کہ بنگال کے حالات کا رُخ علیحدگی کی طرف جا رہا ہے۔ یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ ہر وقت خطرات سر پر منڈلاتے رہتے۔ اچانک مجھے شدید بیماری کا سامنا کرنا پڑا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا بریسٹ کینسر ہے۔ مگر

کینسر نہیں تھا۔ پھر بھی بڑا آپریشن کروانا پڑا۔ حالات کی سنگینی کی وجہ سے کنٹونمنٹ میں کرایہ کا گھر لیا۔ یہاں میجر منظور صاحب ان کی اہلیہ اور بیٹی زجاجہ سے بہت دوستی ہوئی۔ کافی رشتہ دار ہمارے یہاں جمع ہو گئے۔ احمد بھائی کے خاندان کو خود جا کر لائے۔ احمد بھائی کلکتہ میں ہی تھے۔ کراچی آئے تو محمد صاحب سے پاؤں پکڑ کر معافی مانگی۔ ہمیں میجر منظور صاحب نے بروقت نوٹس دیا کہ فوراً کراچی چلے جائیں۔ آہستہ آہستہ سب رشتہ دار کراچی پہنچے۔ ہم ایک دفعہ پھر خالی ہاتھ تھے مگر اللہ پاک پر بھروسہ کی دولت ساتھ تھی۔

ایک بنگالی نوکر کا ذکر نہ کرنا ناانصافی ہوگی۔ آپا رابعہ کا نوکر تھا۔ کمرے میں باہر تالا ڈال دیا اور تختے کے نیچے چھپے رہے۔ اس طرح جانیں بچ گئیں۔ وہ بدھسٹ تھا۔ احمدی ہوا اور ہمارے خاندان کے فرد کی طرح رہتا تھا۔ احمدیوں میں شادی ہوئی۔ باجی عائشہ اور عظیم بھائی کا یہ ہوا کہ سقوطِ ڈھاکہ سے کچھ دن پہلے عظیم بھیا ہارٹ فیل سے وفات پا گئے۔ ان پر اللہ کا احسان ہوا کہ ربوہ لانے کے سامان غیب سے ہو گئے۔ باقاعدہ چندہ دیتے تھے اور بہت کچھ جماعت کو دینے کی وصیّت کر رکھی تھی۔ ہمارے خاندان کے ایک فرد کو ربوہ میں تدفین نصیب ہوئی۔ ہر ایسے موقع پر بابا اور امّاں کی قربانیاں بہت یاد آتیں۔ پھر ڈھاکہ خالی ہوا۔ ایسا صدمہ ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔

کراچی میں بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ شاہین سینٹ جوزف کالج میں داخل ہوئی۔ اچانک بیمار ہوئی۔ بیس سال کی عمر تھی۔ پکّی نمازی تھی۔ آخری نماز اس طرح پڑھی کہ گلوکوز لگا ہوا تھا۔ اس بچی کو موت کی طرف اشارہ کرنے والے خواب آرہے تھے۔ مَیں ان کی تعبیر شادی کی کرتی۔ شادی کی تیاری ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصتی کا پیغام آگیا۔ وہ جنّت کی حور رخصت ہو گئی۔ اِنّا للہ

وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن ۔ آپا نصیرہ بیگم صاحبہ نے اعلان کردیا کہ سب رشتہ دار غیر احمدی ہیں اس لئے احمدی احباب جنازہ میں شامل ہوں ۔ ہماری احمدی برادری ایسی کھڑی ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے آگے شکر کے لئے جبیں سجدہ ریز ہوگئی ۔ کلکتہ اور قادیان میں غائبانہ نماز جنازہ ہوئی ۔ حضور پُرنور نے خاص دعاؤں سے نوازا ۔ اللہ کی رضا میں راضی ہیں :

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو سدا
رنج و غم یاس و الم فکر و بلا کے سامنے

میرے آنسو خود بخود درج ذیل اشعار میں ڈھل گئے ۔

دین کی خدمت رہی شاہین کے پیشِ نظر
کی بزرگوں کی اطاعت دلنشیں انداز میں
اب فضائے خُلد میں پرواز ہے شاہین کی
کر گئی طے فضلِ حق سے ایک ہی پرواز میں

چھ ماہ بعد غمزدہ آپا زکیہ بھی رخصت ہو گئیں ۔ بڑی دکھی زندگی گزاری ۔ دائم المرض تھیں ۔ سعود آباد کراچی میں انتقال ہوا ۔ خاندان کے کچھ افراد جنگی قیدی ہو گئے تھے ۔ اس لئے کسی کو جلد کسی کو دیر سے اطلاع ملی ۔ ... خاندان میں خوشی غمی کے مواقع تو آتے ہی رہتے ہیں ۔ آپا رابعہ کو دل کا عارضہ ہو گیا ۔

ہماری آپا رابعہ نے بڑے سرد گرم حالات دیکھے مگر صبر و شکر سے گزارا کیا ۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے بتایا کہ کراچی میں خرچ کی اتنی دِقّت تھی ۲۰۰ روپے ماہوار پر گزارہ تھا جس میں ۹۰ روپے مکان کا کرایہ تھا ۔ ایک موقع ایسا آیا کہ دکان والے نے ادھار بھی بند کر دیا ۔ مہینے کی آخری تاریخیں تھیں ۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا ۔ رو رو کر اللہ پاک سے دعا کی کہ رازق خدا آج ہم بھوکے سوئیں گے ۔

اتنے میں پڑوسن نے دیوار پر سے آواز دے کر کہا۔ آپا یہ دس روپے رکھ لو۔ پہلی کے بعد بازار جانا تو مجھے دوپٹہ لا دینا۔ وہ دس روپے اللہ پاک نے عطا کئے تھے۔ وہ فریادوں کو سننے والا ہے اور قدم قدم پر مدد فرماتا ہے۔ آج آپا رابعہ کی اولاد بہت اعزاز اور کشائش سے رہ رہی ہے۔ یہ سب ان کی قربانیوں کا پھل ہے۔

اللہ پاک کا خاص احسان کہ ہمارے اکلوتے بھائی عارف نے اعلیٰ تعلیم پائی۔ فلپس کمپنی میں اچھی نوکری مل گئی۔ اس کی شادی میں صبیحہ کی کوششوں کا دخل تھا۔ بفضلِ خدا نیک خاندان مل گیا۔ حضرت قدرت اللہ سنوری کے بیٹے محمود صاحب کی بیگم کی بھانجی چوہدری فتح محمد صاحب کی نواسی "شمیم" سے اس کا رشتہ طے ہو گیا۔ شمیم کے پرنانا خود حکیم کرم الٰہی صاحب تین سو تیرہ رفقائے مسیح موعود میں سے تھے۔ آپا رابعہ کی بیٹی رضوانہ کی شادی ابوالہاشم خان صاحب کی بیٹی آمنہ آپا کے بیٹے ضیاء سے ہوئی۔ عارف کی شادی کے لئے محمد صاحب اور خاکسار کوئٹہ گئے اور بڑے اہتمام سے اپنے بابا کی نشانی کی شادی ولیمہ کیا۔ عارف نے بہت ترقی کی فلپس میں جنرل مینیجر سیلز کی پوسٹ پر ہے۔ اب ماشاءاللہ تین بیٹے ہیں۔ دو امریکہ انجینئرنگ میں ماسٹرز کر رہے ہیں۔ اللہ پاک نے میرے بابا کی دعاؤں اور امّی کے ساڑھیوں کے بارڈر کے ٹانکوں کی محنت کو بڑا رنگ لگایا۔ اگر روحوں کے رابطہ کی کوئی صورت ہو گی تو یقیناً خاندان پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے سے بہت خوش ہوں گے۔

میرا بیٹا اعجاز امریکہ میں سات سال پڑھ کر آیا۔ اور اچھا جاب مل گیا۔ باجی کا بیٹا امجد جنرل کے عہدے تک پہنچ گیا۔ بھائی عبدالکریم یونس صاحب کے گھر اور ریحانہ خورشید کے گھرانے میں سب نے وصیّت کی۔ آپا رابعہ کا انتقال ہوا تو جنازہ

ربوہ لے کر گئے ۔ یہ ہمارے خاندان کی پہلی خاتون تھیں جو بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے نماز جنازہ ادا کی۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے یوسف کی شادی قادیان کے درویش محترم مولوی عمر علی صاحب کی بیٹی فریدہ سے ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیں۔ اس کی مہربانی دیکھیں کہ بابا کی ساری اولاد نہ صرف احمدیت میں شامل ہوئی بلکہ مختلف قومیتوں میں گھل مل گئی۔ کوئی بنگالی سے بیاہی گئی تو کوئی پنجابی سے۔ اللہ تعالیٰ نے میمن وجود کو ختم کرکے احمدیت کی ترقی کے لئے کھاد بنا دیا۔ بابا کی شبانہ دعاؤں کی قبولیت کا ہر آن جواب آرہا تھا۔ جو تکلیفیں اٹھانی پڑیں وہ ان راحتوں کے مقابل پر ہیچ ہیں۔ احمدیت کی برکت ہر لمحہ شامل حال رہی۔

خدا تعالیٰ کا ایک احسان ہمارے خاندان کے نصیب میں یہ بھی آیا کہ ۱۹۸۴ء میں اسیران راہِ مولیٰ میں عبدالرحیم یونس بھیا کو اسیری کی سعادت ملی۔ اکہتر سال کی عمر تھی اور الزامات میں اسرائیل میں فوجی ٹریننگ لینا بھی شامل تھا۔ تین سال مقدمہ چلا کراچی سنٹرل جیل میں رہے۔ گھر والوں کو پولیس تنگ کرتی تھی اس لئے یہ ربوہ منتقل ہو گئے اور اب تک وہیں ہیں۔

۳۰ جون ۱۹۸۷ء کو ہمیں ایک اور حادثے سے دوچار ہونا پڑا۔ ہماری محسن، ہماری ماں کی طرح محبت کرنے والی۔ دکھ سکھ کی شریک باجی ڈھاکہ میں وفات پاگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ موصیہ تھیں۔ دعا کی غرض سے بہشتی مقبرہ میں کتبہ لگا۔ آپا رابعہ کی قبر کے قریب جگہ ملی۔ ۱۹۸۹ء میں میری طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی۔ محمد صاحب بڑی محنت سے علاج اور تیمارداری کرنے لگے۔ بقرعید کی تیاری اور لو بلڈ پریشر نے مجھے بالکل نڈھال کر دیا تھا۔ محمد صاحب نے مجھے چائے بنا کر پلائی۔ ڈاکٹر کے پاس جانے کے لئے فائل نکال رہی تھی۔ گھر میں میرے اور محمد صاحب کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ فائل نکال کر پلٹی تو محمد صاحب پر نظر پڑی۔ زرد رنگ اور دل پر

ہاتھ تھا۔ اتنے میں ممتاز داخل ہوا۔ ہسپتال لے کر گئے۔ گھبراہٹ کے عالم میں خُدا تعالیٰ کو یاد کیا اور فریاد کی کہ تُو ہی ہمیشہ میرا سہارا رہا ہے اس عارضی سہارے کو قائم رکھنا۔ مگر قضاء و قدر کے آگے میری دعائیں قبول نہ ہوئیں۔ تقدیرِ مبرم اپنا کام کر گئی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ جماعت اور غیر از جماعت میمن قوم کے بہت لوگ آئے۔ ان کی شرافت کی وجہ سے بہت لوگ ان کے گرویدہ تھے۔ معصوم زندگی گزاری۔ عقیدے کے اختلاف کے باوجود ہر طرح کی معاونت دی پھر جب احمدی ہو گئے تو ہمیشہ تعاون کیا۔ لجنہ کا اجلاس ہو یا جلسہ خلیفۃ المسیح الثالث کے گیسٹ ہاؤس تشریف لانے پر ڈیوٹی ہوتی۔ لانے لے جانے کا سب کام بشاشت سے کیا۔ بعض دفعہ لجنہ ہال لے کر جاتے تو اس وقت تک نیچے بیٹھے رہتے جب تک میں فارغ نہ ہو لیتی۔ ان کے رشتہ داروں نے ساتھ چھوڑا تھا جو اللہ پاک نے کیسے کیسے بھائی دیئے۔ حضرت میاں ظفر احمد صاحب اور شریف بانی صاحب سے بھائیوں جیسا پیار رہا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث بڑی دلجوئی کرتے اور بہت پیار کا سلوک کرتے۔ اللہ پاک تسلّی کے سامان یُوں بھی کرتا کہ خوابوں میں پیاری ہستیاں ملتیں۔

اللہ پاک نے مجھے محمد صاحب کا اچّھا انجام بھی دکھایا ہے۔ ان کی وفات سے پہلے کی بات ہے خواب میں دیکھا کہ حضرت صاحب میرے گھر تشریف لا رہے ہیں۔ کھڑکی سے گزر کر ڈرائنگ رُوم میں چلے گئے ہیں اور محمد صاحب کی کرسی پر تشریف فرما ہیں خواب میں ہی اپنی خوش قسمتی کا سوچ کر خوش ہوتی ہوں۔ پھر نظارہ بدل جاتا ہے۔ کھانے کے میز کی جگہ خالی تختہ رکھا ہے۔ کمرہ بھی خالی ہے۔ کچھ لجنہ کی عورتیں ہیں جن میں ریحانہ بھی ہے۔ اتنے میں حضرت سیّدہ مریم صدیقہ صاحبہ تشریف لاتی ہیں اور میرا منہ پکڑ کر خُوب چومتی ہیں پھر باہر جاتی ہیں اور گاڑی میں بیٹھنے سے

پہلے مجھے ایک چابی دے کر کہتی ہیں "منصور کی دوا پہنچ جائے گی۔" واپسی پر لجنہ کی عورتیں رشک سے میری طرف دیکھ کر کہتی ہیں۔ کیسی خوش نصیبی ہے تمہاری۔ تمہارے علاوہ کسی کی طرف توجہ ہی نہیں دی چھوٹی آپا نے۔ میں کہتی ہوں "میرا جہاد بھی تو بڑا ہے۔ ایک طرف غیر احمدی اور ایک طرف احمدیّت برابر کا تعلق ہے۔"

یہ خواب میں بھول گئی تھی مگر جب تختے پر محمد صاحب کا جنازہ رکھا گیا تو مجھے یہ سوچ کر تسلّی ہوئی کہ اللہ پاک نے ایک طرح میری دلجوئی کی تھی اور مجھے یہ اطمینان دلایا تھا کہ یہ اس کا فیصلہ ہے جس کی رضا پر راضی رہنا میرا ایمان ہے۔

ہو فضل تیرا یا رب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہو

شوہر کی چھتری کے نیچے زندگی گزارنے والی سب بہنیں جانتی ہوں گی کہ راستہ سے ناواقف تھی مگر گھر کے باہر کے کاموں کی ذمہ داری آپڑی تھی۔ گھر سے نکلی تو سب سے پہلے قبرستان گئی۔ شوہر کی قبر پر دُعا کی۔ پھر راستہ پوچھتے پوچھتے احمدیہ ہال پہنچی۔ آپا سلیمہ صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ ضلع کراچی سے عاجزانہ درخواست کی کہ مجھے لجنہ کا کوئی کام دیں۔ میں دین کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے شعبہ اشاعت میں سیلز کی ڈیوٹی مل گئی۔ ہر پیر کو ہال جاتی ہوں اور کام کرتی ہوں۔ ۱۹۹۴ء کے شروع میں خواب دیکھا کہ بابا محترم قبر میں اُٹھ کر بیٹھے ہیں۔ میں کہتی ہوں: "بابا آپ کی تو حضرت مسیح موعود سے ملاقات ہوتی ہوگی۔ آپ میرا اسلام انہیں پہنچا دیجئے۔" بابا نے جو جواب دیا میں سمجھی نہیں۔ اور خواب کی تعبیر بھی نہیں سمجھی۔ پھر بابا کے حالات لکھنے شروع کئے تو تعبیر سمجھ آئی کہ قبر میں اٹھ کر بیٹھنا۔ اِن کا ذکر جاری ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کام لینا تھا۔ مجھے کوئی قابلیت نہیں ہے مگر خدا تعالیٰ میری مدد کر رہا ہے اور یہ سطور لکھ رہی ہوں۔ مقصد صرف اپنے والدین کے لئے دعا

کروانا اور نئی نسل کو بتانا ہے کہ احمدیت کی برکات حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگادیں۔

دُعا ہے کہ میرا انجام بھی بخیر ہو اور اس جہان سے اس وقت خدا تعالیٰ مجھے بُلائے جب اس کی رضا کی نظر مجھ پر ہو۔ اے خُدا تو میری لاج رکھنا مجھ پر رحم کرنا۔ میرے وارثوں میں، نسلوں میں احمدیت قائم رکھنا۔ قارئین سے بھی میری گذارش ہے کہ وہ میرے والدین اور میرے خاندان کے لئے دُعا کریں۔

اے میری آنے والی نسلو! احمدیت بہت قیمتی نعمت ہے۔ یہ وُہ خزانہ ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ جس طرح بابا نے یہ نعمت آپ تک پہنچائی آپ بھی اس کو آگے پہنچانے والے بنیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقیقی پیار کو حاصل کریں۔ یہ ہماری ذات کی کوئی خوبی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے ہمیں احمدیت سے نوازا۔ یہ خاص فضل ہے۔ عنایت ہے۔ محبت ہے۔ وفا ہے۔ پیار ہے۔

اے خدا! میری تجھ سے یہ گزارش ہے کہ ہم سب کا انجام بخیر کر اور جس طرح بابا کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا ہم پر بھی اپنا فضل نازل فرما۔ ہمارے گناہوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اپنا بنا لے۔ اور ہمارے خلیفہ حضور کو اپنے خاص حفظ و امان میں رکھ اور اپنی محبت عطا کر اور ان کے ہر کام میں مددگار بن اور ہم کو اُن کی اطاعت کی توفیق دے۔ آمین! ۔ خلافت ایک بیش بہا نعمت ہے۔ اُن کا قدر دان بنا۔ اے خدا ہم سب پر رحم کر۔ آمین اللّٰھم آمین۔

خاکسار ۔ رفیعہ محمد

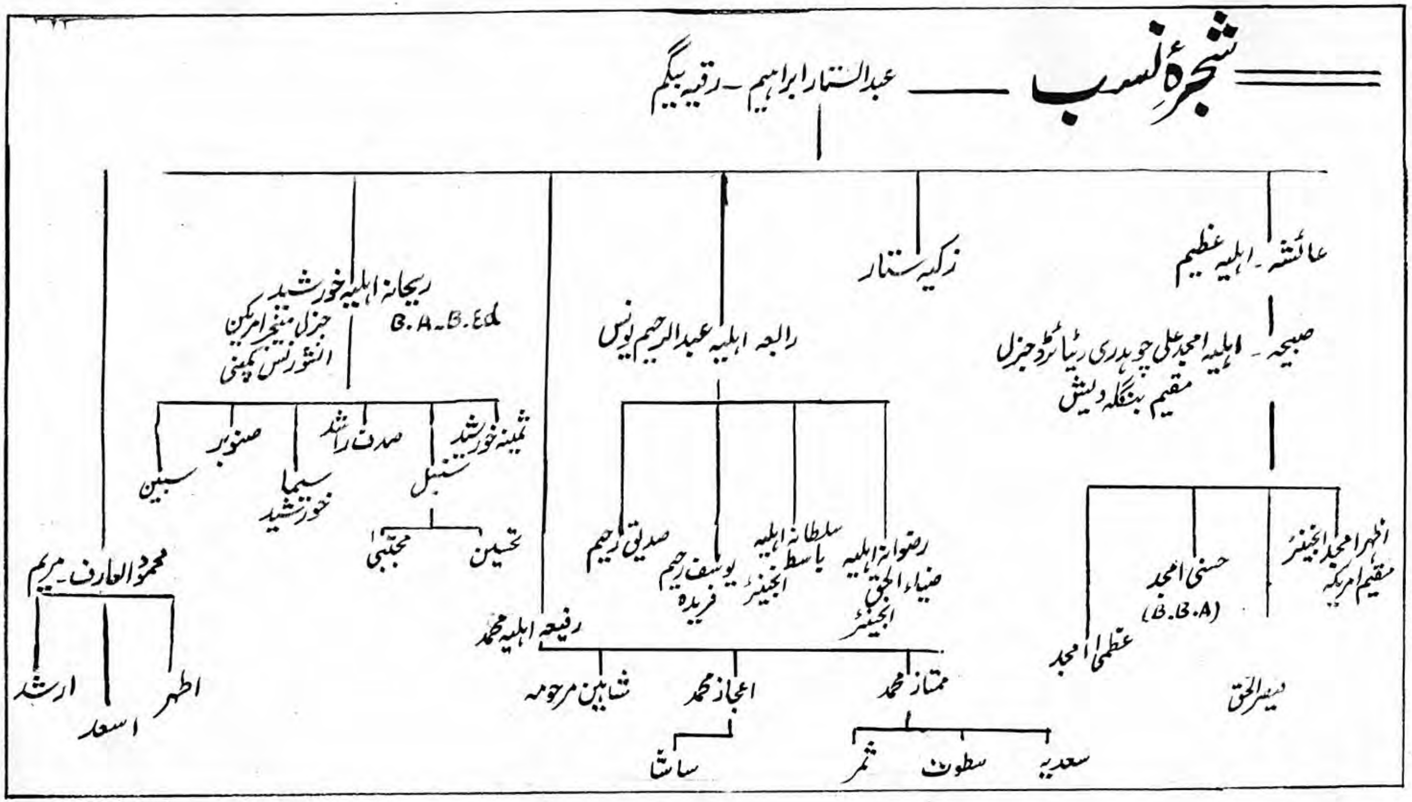
شجرۂ نسب
عبدالستار ابراہیم - رقیہ بیگم
عائشہ - اہلیہ عظیم
صبیحہ - اہلیہ امجد علی چوہدری ریٹائرڈ جنرل
مقیم بنگلہ دیش
اظہر امجد انجینئر
مقیم امریکہ
حسنی امجد
(B.B.A)
عظمیٰ امجد
نیئر الحق
زکیہ ستار
رابعہ اہلیہ عبدالرحیم یونس
رضوانہ اہلیہ
ضیاء الحق
انجینئر
سلطانہ اہلیہ
یاسط
انجینئر
یوسف رحیم
فریدہ
صدیق رحیم
رفیعہ اہلیہ محمد
ممتاز محمد
اعجاز محمد
شاہین مرحومہ
سعدیہ
سطوت
ثمر
ساشا
ریحانہ اہلیہ خورشید
B.A.B.Ed
جنرل مینیجر امریکن
انشورنس کمپنی
ثمینہ خورشید
سنبل
صدف راشد
سیما
خورشید
صنوبر
سبین
تحسین
مجتبیٰ
محمود العارف - مریم
اطہر
اسعد
ارشد

اے خدا، اے چارہ سازِ ہر دلِ اندوہگیں

اے پناہِ عاجزاں، آمرزگارِ مُذنِبیں

از کرم آں بندۂ خود را، بہ بخشش ہا نواز

واِیں جُدا اُفتادگاں را، از ترحُّم ہا بہ بِیں

(دُرِثمین)

اے خدا اے ہر غمگین دل کے چارہ گر۔

اے عاجزوں کی پناہ اور اے گناہ گاروں کو بخشنے والے

اپنے کرم سے اپنے اس بندے کو بخشش سے نواز دے

اور ان علیحدہ رہ جانے والوں پر نظرِ رحمت کر۔

(آمین)